جلد 16 شمارہ 2 ماہ فروری 2014ء ربیع الثانی 1435ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللّٰہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

فلاحِ آدمیّت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاحِ آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مدیر: احمد رضا خان
0321-6400942

نائب مدیر: سید رحمت اللہ توحیدی
0333-4552212

معاون مدیر: خالد محمود توحیدی
0300-7374750

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 0344-9000042/ 055-3862835/055-4005431
فیکس نمبر: 3736841-55-92+ ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❀❀❀ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

درس قرآن: (سورۃ حٰمٓ السَّجْدَة) سید قطب شہید

لَا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاء الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَؤُوسٌ قَنُوطٌ (49) وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاء مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَى رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ(50)

ترجمہ: "انسان (اپنے لئے) بھلائی (خیر) کی دُعا مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس اور شکستہ دل ہو جاتا ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہنے لگتا ہے "میں اس کا مستحق تھا، اور میں نہیں سمجھتا کہ کبھی قیامت بھی آئے گی اور اگر مجھے اپنے پروردگار کے جانا ہی پڑا وہاں بھی میرے لئے بھلائی ہوگی۔ "ہم ایسے کافروں کو ضرور بتا دیں گے کہ وہ کیا کرتے تھے اور انہیں بڑے (غلیظ) عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

انسانی فطرت کی ایک کمزوری

ایک عام اور دنیا دار انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ مال و دولت سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ اور چاہتا ہے ہر طرح کی بھلائیاں میرے لئے ہوں۔ رزق بھی کشادہ ملے، خوشحالی اور عیش وعشرت نصیب ہو، اور چاہتا ہے کہ ہر آن اضافہ بھی ہوتا رہے اور اس کی حرص کبھی ختم ہونے کو نہیں آتی۔ انسان کی طبیعت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ضرر (تکلیف) کے وقت بڑی جزع فزع کرتا ہے واویلا کرتا ہے۔ یہ نفسِ انسانی کی ایک دقیق اور سچی تصویر ہے۔ جب اسے کوئی تنگی، فاقہ یا بیماری یا کسی قسم کا کوئی دکھ پہنچتا ہے اور اس تکلیف کے دور ہونے کے ظاہری اسباب نظر نہیں آتے تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکری کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ انسان مال اور بھلائی کو پسند کرتا ہے اور راحت اور آرام میں مغرور ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسکو شر صرف چھو جائے تو اُمید و رجاء کی

رسّی کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس کا سینہ تنگ اور غم عظیم ہو جاتا ہے اور اپنے ربّ پر اسکا وثوق بہت قلیل اور رابطہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ پر توکل کرنا سیکھ جائے تو یقیناً اسکی یہ حالت نہ ہو۔

آسائش میں اپنی تدبیر پر ناز

اور پھر انسان کی دوسری کمزوری یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف، تنگی فاقہ یا بیماری کو دور فرما دیتے ہیں جس سے انسان قطعاً مایوس ہو چکا تھا اس کے بعد اس کو اپنی رحمت (نعمت) کا مزہ چکھاتے ہیں اور اس پر اچھے دن آتے ہیں تو وہ اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور شکر کو بھول جاتا ہے اور راحت اسکو ہلکا کر دیتی ہے۔ پھر وہ غافل ہو کر کہتا ہے اس راحت و آسائش کا تو مستحق ہوں اور سمجھتا ہے کہ سب کچھ میں ہوں، یہ سب کچھ اس کی حسن تدبیر اور محنت کا نتیجہ ہے۔ باطنی طور پر سمجھتا ہے کہ میرے اوپر کوئی ایسی ہستی نہیں جو کلی طور پر اسکے نفع و نقصان کی مالک ہو بلکہ سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی کی باگ ڈور اسکے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح روزِ آخرت اور اعمال کی جزا و سزا پر بھی اس کا ایمان کمزور ہوتا ہے، کہتا ہے کہ میری موجودہ خوشحالی ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اگر خدا ہے تو وہ یقیناً مجھ سے خوش ہے پھر اس دن آخر کیوں نہ خوش ہوگا۔ گویا ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا کی خوشحالی ہی ان کے پروردگار کی خوشنودی کی دلیل ہوتی ہے۔ وہ غلط طور پر اللہ کے ہاں اپنا مقام بنا بیٹھتا ہے جو دراصل نہیں ہے۔ غرور میں آکر اور غلط فہمی کا شکار ہو کر آخرت کا انکار کرتا ہے۔ اگر اللہ کے ہاں گیا تو اپنے وقار و جاہت سمیت جائے گا۔ ایسے لوگوں کیلئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ "سو ہم ان کافروں کو ان کے اعمال کے بارے ضرور آگاہ کریں گے اور گندے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔"

غلیظ کے معنی ہیں موٹا، دبیز، گاڑھا، سخت گندہ سب کچھ آجاتا ہے۔ غلاظت مشہور لفظ ہے یہ عذاب اس لحاظ سے ہوگا کہ ایسے لوگوں کیلئے پیپ، لہو، زخموں کا دھوون، انتہائی متعفن بدبودار اور شدید ٹھنڈا پانی، ایسی ہی چیزیں پینے کو ملیں گی جن سے انسان کو گھن آتی ہے۔ اسکے سخت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔

درس حدیث : نوجوانوں کیلئے نقش سیرت النبی ﷺ

عَنْ اَنسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَا اَکْرَمَ شَابَ شَیْخاً مِّنْ اَجَلِ سِنِّہ اِلَّا قَیَّضَ اللہُ لَہ، عِنْدَ سِنِّہ مَنْ یُکْرِ مُہ، ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت انسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اسکے بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم وتکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔"

زمانہ جوانی میں انسانی قوتیں بھی اپنے عروج پر ہوتی ہیں، سوچنے کی طاقت، عمل کی قوت، غصہ کی طاقت اور ہر قسم کی قوت پر اسے ناز بھی ہوتا ہے اس لئے جوانی میں انسان سرکشی کی طرف بھی زیادہ مائل ہوتا ہے لیکن اگر انسان زمانہ جوانی میں سنبھل جائے تو واقعی ایک مثالی جوان ہوتا ہے غالباً شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم مئے شود پرہیزگار

جوانی میں پرہیز گاری کی زندگی گزارنا پیغمبروں کا طریقہ ہے اور واقعی بہت بڑا کمال ہے رسول اللہ ﷺ کو اور بہت سے کمالات میں سے ایک کمال اللہ تعالیٰ نے یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ جوانی ہی میں آپ نے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کا لوگوں سے اعتراف کروالیا، نبوت ملنے سے پہلے آپ ﷺ چالیس سال تک کی جوانی کی زندگی اپنی قوم میں گزار چکے تھے اس زندگی کی پوری تصویر اور اس کا ہر رُخ آج تک محفوظ ہے یہ چالیس سالہ زندگی سچائی، دیانت اور خدمت خلق جیسے اعلیٰ اوصاف سے بھرپور ہے جس کی بنا پر آپ ﷺ کو دشمنوں نے بھی صادق اور امین کے لقب سے پکارا، جب آپ کو نبوت ملی تو آپ ﷺ نے اپنی سچائی کے ثبوت میں اپنی اسی چالیس سالہ

زندگی کو پیش فرمایا آپ کی جان کے دشمن، آپ کے دین اور دعوت کے دشمن کو بھی اس بات کی ہمت نہ ہوسکی کہ آپ ﷺ کی سابقہ زندگی پر انگلی اُٹھا سکے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کا بہت بڑا معجزہ آپ ﷺ کی جوانی کی حالت میں پاکیزہ اور باکردار زندگی ہے، ایسی صاف ستھری اور اخلاق سے آراستہ زندگی جس کے دوست و دشمن سب ہی معترف ہیں۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے الفاظ ہیں کہ میں نے اپنے بھتیجے کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا اور اسے کبھی گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

آج ہمارے معاشرے میں نوجوانوں کے سب سے زیادہ عیب اس کے رشتہ داروں کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے معاشرے کے بزرگ آج کے نوجوانوں پر کوئی ذمہ داری ڈالنے سے گریز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی جوانی کے زمانے میں حجر اسود کی تنصیب جیسے ذمہ دارانہ کارنامے انجام دیئے۔

جب بارشوں کی وجہ سے سیلاب آیا کعبہ کا کچھ حصہ گر گیا مختلف قبیلوں نے مل کر دوبارہ تعمیر کیا حجر اَسود لگانے کا سوال اُٹھا تو فساد کا خطرہ ہوا، طے ہوا کہ جو سب سے پہلے کل بیت اللہ میں داخل ہوگا، وہ حجر اَسود رکھے گا سب نے پہلے پہنچنے کی کوشش کی لیکن نبی ﷺ پہلے سے موجود تھے آپ ﷺ نے بڑی عمدہ تدبیر کے ساتھ حجر اسود رکھوایا اور ایک بہت بڑا مسئلہ آپ نے نوجوانی میں حل فرمایا۔ جوانی میں آپ ﷺ محبت اور رحمت کی مثال تھے، کسی کی تکلیف کو دیکھ کر مدد کیلئے تیار ہوجاتے، ایک بڑھیا کو دیکھا، بوجھ اُٹھائے جارہی تھی، کمر بوجھ تلے جھکی جارہی تھی، پتھر دل لوگ ہنس رہے تھے، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر بڑھیا کا بوجھ اپنے کندھے پر رکھا اور لوگوں سے کہا ایک کمزور بڑھیا کا مذاق اُڑانا جوانوں کا شیوہ نہیں، مردانگی یہ ہے کہ اس کا بوجھ بٹادو۔ جوانی میں بھی آپ ﷺ اپنے وقت کا کافی حصہ بوڑھوں بیماروں اور معذوروں کی دیکھ بھال پر صرف فرماتے تھے۔ ان کے چھوٹے بڑے کام کرتے، ایک روز ایک قریشی سردار نے کہا کہ کتنی شرم کی بات ہے تم اپنے خاندان کا خیال نہیں کرتے، تم اونچے گھرانے کے چشم و چراغ ہو

اوراس طرح غریبوں کے کام کرتے ہو۔رحمت دو عالمﷺ نے فرمایا بے شک میرے پرداداہاشم قریش کے سردار تھے وہ بھی تو سب کی خدمت کیا کرتے تھے۔آپﷺ کو یتیموں سے بھی بڑی محبت تھی،ایک بچے کو کمزور بے لباس دیکھا،اس سے وجہ پوچھی وہ رو پڑا اور بھوک کی شکایت کی،آپﷺ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے،آپﷺ نے لڑکے کو گھر لے جا کر کھانا کھلایا اور کپڑے پہنائے۔

جوانی میں معاشرتی ذمہ داریاں پیش آئیں تو تجارت کو ذریعہ معاش بنایا تجارت میں کامیابی کا علم مکہ کی مال دار خاتون بی بی حضرت خدیجہؓ کو ہوا تو اپنے کارندوں کے ذریعے شام کے سفر تجارت پر بھیجا اور اپنے معتبر غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا،آپﷺ نے ایسی دیانت اور محنت سے کام کیا کہ حضرت خدیجہؓ کو توقع سے زیادہ منافع ہوا میسرہ کے ذریعہ نیکی اور دیانت کا معیار سنا تو آپﷺ سے شادی کا پیغام بھیجا۔اُس وقت آپﷺ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔حضرت خدیجہؓ کی صورت میں ایک نیک اور خدمت گزار بیوی ملی ان کے ہمراہ بڑی پرسکون اور خوشگوار،جوانی میں بھر پور خانگی زندگی گزاری۔ان سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں،بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پا گئے،باقی ان کی چاروں بیٹیوں کی شادیاں ہوئیں۔ جوانی میں ایک کامیاب انسان،کامیاب باپ،خاوند اور پھر کامیاب تاجر کی زندگی گزاری،یہاں تک کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

آپﷺ کی سیرت میں آج کے جوان کو جو نقوش ملتے ہیں ان میں بنیادی اور بہت گہرا نقش تو یہ ہے کہ آج کا جوان اپنی جوانی میں سچائی اور دیانت اور شرافت کا پیکر بن جائے اور اس کے کردار اور خوبیوں کے معترف سب سے پہلے اس کے گھر والے اور رشتہ دار ہوں جن کے ہمراہ وہ دن رات گزارتا ہے۔آج کے نوجوان پر جب معاشی ذمہ داریاں آجائیں تو یہ کامیابی سے ان ذمہ داریوں کو نبھائے اور یہی خوبیاں اس قدر کمال کی ہوں کہ وہی اس کی شادی کا سبب بن جائیں،اور اس کے بعد خاوند اور پھر باپ بننے کے بعد اپنی پوری زندگی میں ہر مرحلہ کے اندر رسول اللہﷺ کی حیات طیبہ سے رہنمائی حاصل کرتا رہے۔ (حافظ فضل الرحیم)

تصوّف اور سلوک

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

مذہب کی بنیاد اِن عقیدوں پر ہے۔اللہ، فرشتے، الہامی کتابیں، رسول، قیامت اور حیات بعد الموت اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اِن سب پر بغیر دیکھے اور بلا کسی دلیل کے ایمان لے آئیں۔ دنیا میں اس وقت تقریباً دو ارب سے زیادہ مسلمان بستے ہیں اور سبھی ان عقائد کو بلا دلیل ہی مانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے کچھ دماغ ایسے بھی بنائے ہیں جو کسی بات کو بھی بغیر دیکھے اور بلا سمجھے ماننے کو تیار نہیں ہوتے لیکن آج کی دنیا کے تمام عالموں، فلاسفروں اور دانشوروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دلائل عقلی سے ثابت کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ وہ صرف وجدان ہی سے سمجھ میں آسکتا اور دکھائی بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ یہی موضوع علم تصوف کا ہے۔ دنیا میں جتنے علوم ہیں سب میں یہ ہوتا ہے کہ طالب علم پہلے علم حاصل کرتا اور پھر اس پر عمل کرتا ہے۔ لیکن تصوف میں ان سب کے برخلاف پہلے عمل کرنا پڑتا ہے پھر علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ عمل کیا ہے؟ یہ کسی شیخ ،ولی یا عارف کا بنایا اور بتایا ہوا عمل نہیں ہے بلکہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اِس علم کی ابتداء اور انتہا ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کر دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاًo (اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اُسی کے ہو جاؤ) یہاں سب کو چھوڑ دینے کے معنے یہ نہیں ہیں کہ دنیا چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھو کیونکہ یہ تو رہبانیت ہے جو اسلام میں منع ہے۔ یہاں سب کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ دلی تعلق سوائے خدا کے اور کسی سے نہ رکھو۔ سب جانتے ہیں کہ ربّ ایک صفاتی نام ہے۔ ذاتی نام تو خدا کا اللہ ہے۔ اِس طرح معلوم ہوا کہ عمل کی ابتداء لفظ اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اور جب سالک اعلیٰ مدارج پر پہنچتا ہے تو اس کو دلی تعلق سب سے چھوڑ کر صرف اللہ سے قائم کرنا پڑتا ہے اِسی کو تصوف کی اصطلاح میں قطع ماسویٰ اللہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کام بھی کرتے رہو اور اپنے خالق

کو بھی کسی وقت مت بھولو۔ دین اور دنیا میں رابطہ قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

اِس ابتداء اور انتہا کے درمیان اور بھی کئی باتیں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں مثلاً ایک تو ذکر کرنے کا قاعدہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ o (اور اپنے رب کو دل میں یاد کیا کرو زاری اور ڈر سے، زبان سے آواز نکالے بغیر صبح وشام اور غافلوں میں سے مت ہونا) دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ o (اور جب نماز ختم کر چکو تو اللہ کو یاد کیا کرو، اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے) ان میں سے پہلی آیت میں صرف صبح وشام ذکر کرنے کی ہدایت ہے لیکن دوسری آیت میں پانچوں وقت کی نماز کے بعد ذکر کرنے کا حکم ہے۔ اور وقت کا کوئی تعین بھی نہیں ہے۔ ان دونوں آیتوں سے بزرگانِ دین نے چوبیس گھنٹے کا ذکر لازم کر لیا اور اس کو پاس انفاس کا نام دیا چنانچہ صدیوں سے اِسی پر عمل ہو رہا ہے اور یہ عین قرآن پاک کے مطابق ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء اور انتہائے سلوک کے درمیان دو اور چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک ہے تزکیہء اخلاق اور دوسری تصفیہء قلب، ظاہر ہے کہ ان دو باتوں کی تکمیل کے بغیر سالک خدا کے قرب میں ہرگز باریاب نہیں ہو سکتا۔ اخلاق کی بابت تو احادیث اور قرآن میں یہاں تک زور دیا گیا ہے کہ اِس کے بغیر جنت میں بھی داخلہ نہ ہو سکے گا۔ تصفیہء قلب بھی تزکیہء اخلاق سے کسی طرح کم ضروری نہیں اگر آپ کسی معمولی سے معزز مہمان کو بھی اپنے گھر بلائیں تو پہلے گھر کو خوب پاک صاف کر لیتے ہیں تب بلاتے ہیں۔ مومن کا قلب اللہ کا گھر ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اِس کی تجلی اور اِس کا نور اپنے دل میں دیکھیں تو جب تک پوری پوری صفائی نہ ہو یہ کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم اِس جگہ ایک بڑی ہی پیاری مثال دیتے ہیں شاید اسی سے آپ کی سمجھ میں کچھ آ جائے۔

ہر گھر میں بجلی کے بلب جلتے ہیں۔ ایک بلب کا شیشہ الگ کر کے سوئچ دبائیں تانبے کا تار

گرم ہوکر سرخ ہوجائے گا لیکن روشنی نہ ہوگی۔ اب شیشہ چڑھا کر سوئچ دبائیں اب بھی تار گرم و سرخ ہوجائیں گے روشنی نہ ہوگی۔ اب اگر شیشہ کی ہوا خارج کر کے اور ویکیوم کر کے شیشہ لگائیں اور پھر سوئچ دبائیں تو فوراً نور پیدا ہوگا اور روشنی ہوجائیگی وجہ یہ ہے کہ پہلے شیشہ میں ہوا بھری ہوئی تھی اس لیے نور پیدا نہیں ہوا۔ جب ہوا نکال دی گئی تو فوراً نور پیدا ہوگیا۔ آپ کے قلب میں بھی جب تک ہوا (ہوس وغیرہ) بھری ہوئی ہے اللہ کا نور اس میں جلوہ نما نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی ہوا و ہوس سے قلب کو پاک کرلو قلب بھی بلب کی طرح روشن ہوجائے گا۔ بس یہ ہے اللہ اور رسول ﷺ کا بتایا اور سکھایا ہوا تصوف اور سلوک۔ اس کے علاوہ جو بہت سی چیزیں اس میں ملادی گئی ہیں وہ سب لازم وملزوم ہیں مثلاً حبس دم سے ذکر کرنا، طرح طرح کے آسن لگا کر ذکر کرنا، خاص خاص آسنوں سے مراقبہ کرنا، الٹے لٹک کر نماز معکوس پڑھنا، ایک ٹانگ پر کھڑے ہوکر پورا قرآن ختم کرنا، کئی کئی دن متواتر افطار کئے بغیر روزے رکھنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ دعائے حزب البحر، دعائے ماثورہ، دعائے سُریانی، قصیدہ بردہ اور قصیدہ غوثیہ وغیرہ جو بطور اعمال کے سلوک میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان سے طرح طرح کے فوائد ضرور ہوتے ہیں خاص کر فراخیء رزق و کشادگیٔ احوال، لیکن سلوک طے کرنے میں اور خدا تک پہنچنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ ایک اور بھی چیز ہے جو ذکر، تزکیہء اخلاق، تصفیہء قلب اور قطع ماسویٰ اللہ سے بھی زیادہ ضروری ہے، وہ ہے ایک کامل مرشد کا تلمذ اور توسّل، مرشد کے بغیر اس راہ میں دو قدم چلنا بھی ممکن نہیں۔ جب معمولی معمولی علوم وفنون کے لیے بھی استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو روحانی عالم میں کروڑوں اور اربوں میل کا فاصلہ طے کر کے حریم کبریا تک پہنچنا بغیر کسی رہنما کے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔ رہنمائی اور ہدایت کے علاوہ مرشد کامل کے سینہ سے ایک ایسی برقی طاقت و توانائی سالک کو ملتی ہے جو اس کے قلب کو گرما کر اور روح کو تڑپا کر ایک نئی زندگی بخشتی ہے یہ ایک خاص قسم کی حرارت ہوتی ہے اس سے وجد، جذب اور سرور و کیف پیدا ہوتا ہے جس کے نشہ اور بے خودی میں سالک ہر قسم کی سختیاں اور تکالیف خوشی سے برداشت کرتا ہوا منزلِ مقصود تک چلا جاتا ہے۔

اگر اس طرح با قاعدہ سلوک طے کیا جائے تو دو چار مہینے بعد ہی سالک کو عجیب وغریب کوائف وواردات سے واسطہ پڑتا ہے ۔سب سے پہلے تو کشف وکرامات کی طاقت پیدا ہوتی ہے،اس کے بعد اولیاء اللہ کی روحوں کی زیارت اور عالم روحانی کی سیر میسر آتی ہے ۔کبھی وہ دیکھتا ہے کہ کائنات کی ہر شے،شجر وحجر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں،کبھی اسے نظر آتا ہے کہ یہ سب چیزیں خود اس کو سجدہ کررہی ہیں،کبھی تمام چیزیں نظر سے غائب ہوجاتی ہیں ۔کبھی سینکڑوں میل تک ہر چیز نظر آنے لگتی ہے ۔کبھی اسے محسوس ہوتا ہے کہ ساری کائنات خود اس کی ذات میں جذب ہوگئی ہے اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کی ذات ساری کائنات میں جاری وساری ہے ۔اب جیسے جیسے وہ ترقی کرتا اور آگے بڑھتا ہے عجیب سے عجیب تر مشاہدات و واردات پیش آتی ہیں ۔یہاں تک کہ جب **ھو** میں ایک خاص مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو یہ نظر آتا ہے کہ ہر جگہ خدا ہی خدا ہے ۔اس کے علاوہ اور کوئی ہستی موجود نہیں ۔اسی مشاہدے کا نام وحدت الوجود ہے ۔مگر یہ سب کچھ جو دکھائی دیتا یا محسوس ہوتا ہے ایک کیفیت ہوتی ہے حقیقت نہیں ہوتی ۔

فرمودات قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ (اقتباس از مقصود حیات)

اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مشتمل نظامِ حیات جسے ہر دور میں اسلام کا نام دیا گیا جو محبت اور رحمت کا دین ہے،جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی نوعِ انسان کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے تاکہ اولادِ آدم اس دنیا میں بھی امن وامان اور عزت واکرام کی زندگی گزارے اور آخرت کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہوسکے ۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صاحبِ ارادہ بنا کر انتخابِ عمل کا اختیار دے رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے لَآ اِكْـرَاهَ فِـي الـدِّيْنِ ο فرما کر دین کے نفاذ کیلئے جبر کے استعمال کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا ۔عالمی امن اور فلاحِ دارین کے اس مقدس منشور کے ردّ وقبول کا معاملہ انسان کی صوابدید اور ضمیر کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ جس لائحہ عمل کا انتخاب کرے گا اس کے نتائج کی ذمہ داری اسی پر ہوگی ۔

انسان کی تخلیق کا مقصد

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو مسجود ملائکہ اور اشرف المخلوقات بنایا تو اس کے ذمے یقیناً کوئی ایسا کٹھن کام بھی لگایا ہوگا جو کسی دوسری مخلوق کے بس میں نہیں تھا۔اس مقدس اور عظیم مہم کو سر کرنے کیلئے جو صلاحیتیں درکار تھیں وہ بھی اس علیم وخبیر مالک نے اسے عطا فرمادیں۔اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصود حیات کی اہمیت کے پیش نظر اولاد آدم سے کچھ عہدو پیان عالم ارواح میں لے لئے تھے۔اس ازلی مشن کی تکمیل کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور ہم اس کے حصول میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں اس کی اہمیت جتلانے اور اسے اس کی زندگی کے مقصد سے آگاہ کرنے کیلئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِo (الذاریات۔55)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں“۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں بندگی یا عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی پابندی ہے۔لیکن کچھ صحابہ کرام اور متاخرین کا کہنا ہے کہ لِيَعْبُدُوْنِ سے مقصود لِيَعْرِفُوْنِ یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرنا ہے اور حقیقی عبادت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے بھرپور محبت کرتے ہوئے اس کی معرفت وقربت اور رضا ولقاء حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔اس طرز حیات کا نام ہی صراط مستقیم ہے اور قرآن کریم اس کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ، هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌo (آلِ عمران۔51)

”بے شک اللہ میرا ربّ ہے اور تمہارا ربّ بھی وہی ہے۔اسی کی بندگی کرو یہی ہے صراط مستقیم“۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا ہی وہ سیدھا راستہ ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔اللہ کی بندگی کی روح اس کی محبت اور معرفت ہے کیونکہ عبادت سے مراد اگر احکام کی

اطاعت لی جائے تو پھر یہ جنوں اور انسانوں کیلئے کیونکر خاص ٹھہری۔اس میں تو ہر مخلوق شامل ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے شعور کے مطابق اپنے خالق کو پہچانتی، اس کی تسبیح کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجمعه۔1)

''جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے''۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۝ (النور۔41)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جولوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے''۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۝ (الرحمن۔6) ''اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں''

ان آیات میں انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کی تسبیح، سجدہ اور صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی اطاعت کا یہ حال ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنا اپنا فرض اس طرح ادا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سر مو انحراف نہیں کرتا۔یہ ہے زور آور اور زبر دست اللہ کی تقدیر جس کا نباتات و جمادات کو پابند کر دیا گیا ہے۔لیکن وہ ہمہ تن اور ہمہ وقت خالق سماوات وارض کی بے خطا اطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود بھی اس کی محبت کی نعمت سے محروم ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت فاخرہ حضرت انسان کے وجود کے سوا کسی دوسری مخلوق پر سج ہی نہ سکی۔اللہ رحیم وودود نے صرف انسانوں کے لئے فرمایا ہے۔يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدۃ۔54) ''کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں''اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے جس بندگی کا تقاضا کیا گیا ہے اس سے مراد معرفت اور محبت سے خالی مشینی قسم کی اطاعت ہرگز نہیں ہے۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تقدیر کے پابند ہیں نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

عرض امانت

بندگی کی اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لئے سورت الاحزاب کی آخری دو آیتوں کا بغور مطالعہ بہت ضروری ہے جن میں ایک خاص امانت کا ذکر کیا گیا ہے جسے حضرت انسان نے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو دکھائی تو انہوں نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تا کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ (الاحزاب 72تا73)

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کو دیکھا تو اس کی بھاری ذمہ داری کو قبول نہ کیا اور ناکامی کی صورت میں جو سزا ملنی تھی اس سے ڈر گئے۔ قرآن کریم کے ان الفاظ سے ہی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ معاملہ احکام کی اطاعت کا نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کئی مقامات پر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ بھی کہ ہر چیز خوشی کے ساتھ اس کی تابع فرمان ہے تو پھر امانت کو ٹالنے اور اس سے ڈرنے کی کیا بات تھی۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ اپنے اعمال کے لئے ذمہ دار ٹھہرائے جانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو کمال تک پہنچانے کے کٹھن امتحان کا تھا اور جو بھی مخلوق اس چیلنج کو قبول کرتی اسے اس کے اعمال کے لئے ذمہ دار قرار دے کر جزا و سزا کا مستحق قرار دیا جانا تھا۔ اس جرات آزما ذمہ داری اور امتحان سے پنجہ آزمائی کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا لیکن حضرت انسان جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اپنی محبت اور زمین کی خلافت سنبھالنے کے لئے کیا تھا وہ مصائب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اور انجام سے بے خطر شہادت گاہ الفت میں کود پڑا اور ظالم و جاہل کہلایا۔ علامہ اقبالؒ شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سختیاں کرتا ہوں دل پرغیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

ظالم و جاہل اس لئے فرمایا کہ انسان کے اس فیصلے سے زندگی اس کے لئے ایک کٹھن آزمائش کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔اب جو لوگ محبت کی امانت کو اس کے اصل مالک اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر کے اس کی حفاظت نہیں کریں گے یا اس میں غیر مستحق ہستیوں کو شریک کرلیں گے تو وہ گویا امانت میں خیانت کے مرتکب ہونگے۔اسی لئے دوسری آیت میں فرمادیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور مشرکین مرد و زن کو اس جرم کی سزا دے گا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر پیمانِ محبت وفا کرنے کے عوض رحمت فرمائے گا اور انہیں انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازے گا۔ان آیات کا ایک ایک جزو اس خاص امانت کو اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت کر رہا ہے۔اب ہر انسان کو حیات ارضی کے دوران بہت زیادہ محتاط رہنے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکے۔قرآنی فرمان ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْم (التین۔4)

کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے بجاطور پر اس سے احسن عمل کی توقع رکھتے ہوئے ارشاد ہوا۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً "اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون احسن اعمال بجالاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کیلئے کتاب نازل فرمائی اور ارشاد ہوا۔ وَاتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ (الزمر۔55) "جو کتاب تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اس کے احسن احکام کی پیروی کرو"اور مزید احسان فرماتے ہوئے اپنے حبیب اور بنی نوع انسان کے محسن اعظم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا راستہ دکھاتے ہوئے فرمایا۔ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ

اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ o(البقرۃ۔ 195) اور تم احسن کارکردگی دکھاؤ۔ بے شک اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔ اتنے سارے احسن عوامل اکٹھے ہو جانے کی بناء پر مومن کیلئے مرتبہ احسان تک پہنچنے کے امکانات بڑے روشن ہیں۔ اگر وہ اللہ کی محبت، کثرت ذکر اور تسلیم و رضا والی زندگی اختیار کر لے تو وہ مرتبہ و مقام حاصل کر سکتا ہے جہاں اللہ کی حضوری اور اس کے قرب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اس عظیم کامیابی پر انہیں آخرت میں بھی اعلیٰ قسم کی جنتیں عطا کی جائیں گی جن کی بشارت هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ o(الرحمن۔60) میں دی گئی ہے کہ ''احسن اعمال کا بدلہ احسن جزا کے سوا کچھ نہیں'' جو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور کامل ہدایت کے لئے کئے گئے انتظامات سے پورا فائدہ نہ اٹھائیں گے ان کے لئے فرمان ہوا۔

أُوْلٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ(الاعراف ۔ 179) '' وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ'' ایسے لوگوں کو ہی ظلوم اور جہول کہا گیا ہے۔ کیونکہ ظلوم اسی کو کہا جاتا ہے جو عدل کی صلاحیت اور مواقع ہوتے ہوئے بھی ظلم کرے اور جہول وہ ہے جو کھلی اور واضح نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں بند کر لے اور جہالت اور غفلت کو پسند کرے۔ اسی لئے اوپر دی گئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ظلم و جہل اور شرک و نفاق سے بری قرار دیتے ہوئے ان سے رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

عہدِ الست

بارِ امانت کی تفویض کے علاوہ ایک خصوصی عہد کا ذکر بھی قرآن کریم میں آیا ہے جو روزِ ازل ہی تمام ارواحِ انسانی سے لیا گیا تھا۔ اس کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار لیتے ہوئے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔ تاکہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ نہ کہو کہ

شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے جوان کے بعد پیدا ہوئے ۔تو کیا جو کام وہ اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے آپ ہمیں ہلاک کرتے ہیں اور اس طرح ہم آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ رجوع کریں‘‘۔ (الاعراف 172تا 174)

اولادآدم کی ارواح سے جو بھی عہدو پیان لئے گئے خواہ وہ میثاق انبیاء ہوں یا عام انسانوں کی ارواح کا عہدالست ہو لیکن ایک بات بلاشک وشبہ کہی جا سکتی ہے کہ مادی زندگی سے پہلے ہی ان کا انعقاد ان کی خصوصی اہمیت ثابت کرنے کیلئے کافی ہے اور یہ بھی کہ اس عہدو پیان کا ہماری زندگی کے ساتھ یقیناً بڑا گہرا تعلق ہے۔

ان کا ذکر قرآن کریم میں اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنے من کی دنیا میں غوطہ زن ہو کر عہدالست کی آواز کو سنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کی راہ پر گامزن ہو کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائے ۔اوپر دی گئی آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور بلا استثنیٰ ہر روح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ تسلیم کیا ۔اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہر انسان ازلی طور پر سعید ہے ۔لیکن یہی انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کیلئے پیدا فرمایا ،جس نے تائید ایزدی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی امانت کو سینے سے لگایا ،جس نے اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اس کی بندگی یا غلامی کرنے کا عہد کیا وہ حیات ارضی کے دوران راہ راست سے بھٹک کیوں جاتا ہے اس کا بیان آگے چل کر کریں گے ۔یہاں ایک فکر انگیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے بارے میں پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ میں اسے زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں ۔دوسری یہ کہ میں نے اسے اپنی عبادت یعنی غلامی کیلئے پیدا کیا ہے اور تیسری یہ کہ اس نے محبت کی بھاری امانت اٹھا کر اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کر لی ۔لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ جب اس سے عہد لیا گیا تو اس میں خلافت ،عبادت اور امانت کا ذکر تک نہیں کیا گیا ۔عہد لیا گیا تو صرف اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہو؟ اس سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لینا ایک ایسا فیصلہ ہے جسے دین اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ

کواپنارب یعنی آقاو مالک تسلیم کئے بغیر خلافت، عبادت اور امانت میں سے کسی ایک کی ذمہ داری بھی کماحقہ پوری نہیں کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ارواح سے اللہ کو اپنا رب ماننے کا عہد لیا گیا۔ جو بھی انسان اس عہد پر قائم رہے گا وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر کے فائز المرام ہو جائے گا۔ ربّ کے معنی کسی چیز کو درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانے والی ہستی کے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ربّ کے معنی محبوب آقا اور پیارے مالک کے بھی ہیں۔ اس کے مقابلے میں عبد کے معنی غلام کے ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو کسی دوسرے کی ملکیت ہو۔ لہٰذا انسان کا کسی ہستی کو اپنا رب تسلیم کر لینا اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ وہ اس کا عبد یا غلام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انسان یہ اقرار کرے کہ میں فلاں کا عبد ہوں تو اس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ اس ہستی کو اپنا رب یا آقا مانتا ہے۔ میثاق الست سے ہر انسان پابند ہو چکا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا مطیع اور تابع فرمان بن کر رہے گا، سب سے زیادہ محبت بھی اسی سے کریگا اور زمین پر اس کی حکمرانی قائم کر کے خلافت ارضی کا حق ادا کریگا۔

اب تک ہم عالم ارواح میں ہونے والے جو تین اہم واقعات بیان کر چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبت اور معرفت والی اطاعت کیلئے پیدا فرمایا۔

2۔ انسان نے اللہ کی محبت کی رکھوالی اور اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کر لی۔

3۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر کے آیا ہے آپ ہی میرے رب اور میرے محبوب ہیں اور صرف آپ ہی کی بندگی یا غلامی کرونگا۔

اُوپر دی گئی آیات میں عہد الست کی غرض وغایت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس عہد کے بعد کوئی انسان خواہ وہ کسی ملک اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو قیامت کے دن یہ نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے اس بات کی خبر نہ تھی کہ اللہ میرا رب ہے اور اس کا عبد ہونے کی حیثیت سے مجھے اس کی فرماں برداری کرنی تھی۔ چونکہ اس دن مادی ظلمتوں کے سارے پردے اُٹھ جائیں گے اور ہر روح کو عہد الست یاد آ جائے گا۔ اسی طرح اس عہد کے بعد ہر انسان پابند ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت میں کسی کو شریک نہ کرے اور اس معاملے میں وہ مشرک آباؤاجداد کی تقلید ہرگز نہ کرے۔

کیونکہ ہر فرد ذاتی طور پر عہد کی پابندی کا ذمہ دار ہے اور بزرگوں کی تقلید اور زمانے کے ماحول کا بہانہ کسی کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تفصیل بیان فرمادی ہے تا کہ انسان اپنے رب سے کئے ہوئے عہد کی طرف رجوع کرلے اور آخرت کی شرمساری اور خواری سے بچ جائے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے فرمودات عالیہ

ایفائے عہد: ''اے ایمان والو اپنے اقراروں کو پورا کرو''۔(المائدۃ ۔ 1)

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً (بنی اسرائیل ۔ 34)

یعنی ''اپنے وعدے پورے کیا کرو قیامت میں اس کے متعلق بازپرس کی جائے گی''۔ ایفائے عہد بڑی بڑی باتوں میں ہی نہیں چھوٹی اور معمولی باتوں میں بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ وعدہ خلافی کے نتائج بہت ہی برے ہوتے ہیں اور جس شخص سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کو نہ صرف جسمانی اور روحانی اذیت بلکہ طرح طرح کا نقصان بھی پہنچتا ہے۔ جس قوم کے افراد میں وعدہ خلافی کی عادت عام ہو وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ وعدہ خلافی کرنے سے تو ہزار درجہ بہتر ہے کہ وعدہ کیا ہی نہ جائے۔ دوسری قومیں جن کو تم کافر و مشرک کہہ کر خوش ہو لیتے ہو ان کے معمولی افراد بھی ایفائے عہد میں اس قدر پکے ہوتے ہیں کہ ہماری قوم کے بڑے بڑے مدعیان تقویٰ، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور زعماء بھی نہیں ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاق حسنہ اور اعلیٰ کردار پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلا سبق ہی یہ ہے کہ آدمی وعدے اور وقت کی پابندی کرے۔ (اقتباس از تعمیر ملت)

خواجہ کے خطوط (مرتب: خالد مسعود)

عقل' دل اور قوت سِرّیہ

(بنام محمد مرتضٰی صاحب 1/1/1964)

''آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے فقر میں دل کا دماغ پر غالب رہنا اچھا ہے بلکہ ضروری ہوتا ہے اس سے نفی کامل حاصل ہوجاتی ہے۔اور روحانی مستی'وجد اور نشہ بڑھتا ہے۔ کچھ نظر بھی آتا ہے۔لیکن یہ سب کچھ ولایت صغریٰ کی حد تک ہے۔ولایت کبریٰ میں بھی اچھا ہے لیکن اس میں دماغ کو بھی سوچنے اور کام کرنے کا موقع دینا چاہیے۔ورنہ ولایت کبریٰ تک انسان نہیں پہنچ سکتا۔اس کے بعد اگر کسی کی قسمت میں عارف کامل بننا ہوتو بات بالکل الٹی ہوجاتی ہے۔ پھر دماغ دل پر غالب آجاتا ہے۔دماغ اور عقل ایک ہی چیز ہے۔ادنیٰ درجہ کا عارف بننے کے لیے عقل کچھ کام کرتی ہے لیکن اعلیٰ مدارج پر عقل بھی رہ جاتی ہے اور ایک اور قوت ہے''قوت سرّیہ'' وہ پیدا ہوجاتی ہے اور وہی انسان کو اللہ تک پہنچاتی ہے یعنی اللہ کا قرب وعرفان عطا کرتی ہے۔''

دِل سے دُعا

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1968)

''حلقہ میں ماشاءاللہ 80 فیصد آدمی تو اہل دل ہی ہیں۔انہی میں بہت سے ولایت صغریٰ اور بہت سے ولایت کبریٰ کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔باقی رہا دل سے دعا کرنا تو یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔یہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔جب دعا قبول کرنی ہوتی ہے تو دل سے نکلتا ہے۔ ورنہ زبان یا صرف ہونٹوں سے،خیر دعا کرتے رہیں جیسی بھی ہو۔''

والسّلام

قبلہ محمد صدیق ڈار کا خط بنام : پروفیسر محمد شبیر شاہد

مورخہ :8.01.2006

دُکھ سکھ تو ساتھ ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے پریم کی لائن قائم رہنی چاہیے۔ لیاقت علی بہت پیارا بھائی ہے آپ کا حلقہ تو ان کی سعی کا مرہونِ منت ہے۔ اب آگے آپ لوگوں کا کام ہے کہ اس مقدس مشن کو آگے بڑھائیں۔

وسوسوں کا آنا فطری سی بات ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری اُمت پر وسوسوں کی گرفت نہیں ہوگی بشرطیکہ نہ تو ان پر عمل کرے اور نہ ہی زبان پر لائے۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَ اَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ۝

یہ آیت صبح و شام سات سات مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ کبھی وسوسوں کا ہجوم ہو تو تین تین بار پڑھ کر دائیں بائیں اور سامنے پھونک ماردیں۔ انشاءاللہ شیطانی لشکر دفع و دُور ہو جائیں گے۔

تہجد کی رکعتیں بے شک تھوڑی پڑھیں لیکن ان میں رکوع و سجود پُر اطمینان اور لمبے لمبے ہونے چاہئیں۔ نماز کے بعد کچھ دیر کیلئے خوش الحانی اور ترنم کے ساتھ **سُبْحَانَ اللہ ۔ سُبْحَانَ اللہ** کا ذکر کیا کریں۔ اس خیال کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کا نور میرے اندر بھی اور باہر بھی موجود ہے اور دھند کی طرح مجھے چاروں طرف گھیرے ہوئے ہے، پھر اسی تصور میں کچھ دیر خاموش بیٹھے رہیں اور دل کی آواز پر اللہ، اللہ کریں۔

عمرہ اور حج پر جانے سے پہلے اجازت اور اطلاع دونوں ہی ضروری ہوتے ہیں۔ جب اللہ کو حاضری منظور ہوگی تو پھر کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔

آپ کے حلقہ کے نوجوان بھائی بڑے پیار والے ہیں۔ آپ کو آپس میں سگے بھائیوں سے بھی زیادہ محبت کرنی چاہیے اور کثرت سے میل ملاقات کرتے رہنا چاہیے۔ اس سے پیار اور روحانیت بڑھتے ہیں۔

والسّلام

امامِ ربّانی حضرت مجدد الف ثانیؒ

(پیر خان توحیدی)

آپؒ کا اِسم گرامی احمد ہے، آپؒ سلسلہ نقشبندیہ کے روشن چراغ آسمانِ ولایت کے درخشندہ ستارے، اقلیمِ تصوف کے تاج دار ہیں۔ آپؒ ہندوستان کے مشہور شہر سرہند میں 1564ء میں پیدا ہوئے اور 1624ء میں آپ کا وصال ہُوا اور سرہند ہی میں مدفون ہوئے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے تعلیم وتربیت کی تکمیل کے بعد سلوک ومعرفت کی راہ میں قدم رکھا تو ابتداء میں چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت ہوئے اور پھر نقشبندیہ سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہوئے۔ اُس وقت ہندوستان پر جلال الدین اکبر کی حکومت تھی جو شہنشاہ اکبر کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ظلم وجبر، اسلامی تعلیمات سے دوری اور لادینیت کا دور تھا۔ جلال الدین اکبر کا دربار الحاد، لادینیت اور دین کے خلاف فتنوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ وہ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی انفرادیت، اسلامی تشخص اور قرآن وسنت کی حقیقی تعلیمات کو مٹا کر مختلف مذاہب کے اشتراک، مخلوط بنیادوں پر وطنی، قومیت اور دینی اقدار کے خلاف خودساختہ متحدہ مذہب کو فروغ دینا چاہتا تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اکبر کے دربار میں نبوت اور رسالت، وحی، جنت ودوزخ، حج اور دیگر اسلامی شعائر کا برملا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ علمائے سُو نے درباری وسرکاری علماء کی مشاورت سے ایک نئے مذہب "دینِ الٰہی" کی بنیاد رکھی جس کے اصول وعقائد فرنگیوں، پارسیوں اور ہندوؤں سے ماخوذ تھے۔ دربار شاہی میں غیر اسلامی ہندوانہ رسوم اور بدعات رائج کی گئیں۔ اور اسلامی شعائر کو ایک ایک کر کے رخصت کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ کلمہ تک بدل دیا گیا۔

ایسے حالات میں مجدد الف ثانیؒ نے اِس الحادی تحریک اور باطل کے خلاف کلمۂ حق بلند کر کے ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ آپ نے عہدِ اکبری اور دورِ جہانگیری کی بدعات خودساختہ رسوم

دینی اقدار اور اسلامی شعائر کے منافی امور اور گمراہیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ آپؒ نے اپنے مریدوں کی ایک بڑی تعداد دعوت و تبلیغ کے لئے تیار کی اور انہیں مختلف اطراف میں اِس کام کے لئے مقرر کیا۔ بادشاہ کے مقربین اور امراء کو بھی اپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا۔ آپ کی دعوت کا دائرہ وسیع ہو کر شاہی افواج کے حکام تک پہنچ گیا۔ آپ نے علمِ شریعت کو بلند کیا اور اپنا سرِ نیاز غیر اللہ کے سامنے جھکانے سے انکار کر دیا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں۔

حاضر ہُوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن جھکی نہ جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

یوں تو مدت سے نفس پرست بادشاہوں، جاہل صوفیوں اور علماءِ سُو نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں خلافِ اسلام نظریات اور اعمال کی آمیزش کا سلسلہ شروع رکھا تھا لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قریبی زمانے میں اس میں بہت شدت آ چکی تھی۔ حضرت مجددؒ نے اس فتنے کے سدباب کے لئے بھرپور جدوجہد فرمائی اور ہمیشہ بدعت سے بچنے اور سنت کی اتباع کرنے کی تلقین فرمائی انہوں نے شریعت اور طریقت میں فرق کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا کہ مستقیم الاحوال صوفیاء احوال واقوال علوم و معارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے ان کے نزدیک استقامت کا طریقہ اور باطن کی درستی کی علامت ظاہر کو شرعی احکام سے سنوارا جاتا ہے۔ حضرت مجددؒ نے اپنے زمانے کے صوفیاء کے برعکس اعلان کیا کہ حقیقت اور طریقت دونوں ہی شریعت کی خاص پہچان ہیں نہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور ہے انہیں علیحدہ کرنا الحاد ہے۔ مجدد الف ثانیؒ نے لوگوں کے عقائد کی درستی اخلاص کی پختگی کے لئے مکتوبات لکھے

تا کہ لوگ صحیح معنوں میں سچے اور پکے مسلمان بن سکیں۔ آپؒ کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ریاستی حلقوں کو اپنا ہم نوا بنانے اور انہیں اسلامی تحریک کا حصہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپؒ نے بڑے بڑے رئیسوں اور پیشواؤں کو خط لکھے کہ آج اسلام بہت غریب ہو رہا ہے اس لیے تم پر لازم ہے کہ اپنی ہمت کو شریعت کی ترویج میں لگائیں اور اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں۔ کیونکہ تاخیر کرنے میں خیر ظاہر نہیں ہوتی۔ جب بادشاہ سنت مصطفوی ﷺ کی ترویج میں سرگرم نہ ہو اور بادشاہ کے مقرب بھی اس بارے میں اپنے آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگی کو عزیز سمجھیں تو اہل اسلام پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اصلاح عقائد اور اصلاح معاشرہ کی وہ تحریک برپا کی جس کے نتیجے میں ہندو مسلم تہذیب کا مرکب اور وحدتِ ادیان کا خود ساختہ فلسفہ دم توڑنے لگا۔ آپ پوری شدت اور دینی حمیت کے ساتھ درباری علمائے سُو اور بادشاہِ وقت کے خلاف سینہ سپر ہوئے رفتہ رفتہ غیر اسلامی اثرات مسلمانوں کے ذہنوں سے زائل ہونے لگے اور اسلامی تہذیب وتمدن کو برگ وبار لانے کا موقع فراہم ہوا۔ مشہور صوفی بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے خطوط میں حضرت شیخ سرہندی کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے انہیں مستقبل کا ایسا روشن چراغ قرار دیا تھا جس کے نور سے ظلمتیں کافور ہو جائیں گی بالآخر وہ بشارت پوری ہوئی اور آپ ہی کے ہاتھوں اکبر کی جدیدیت جو کہ لادینیت تھی اس کا وضع کردہ دینِ الٰہی اور اکبری الحاد کا خاتمہ اور قلع قمع ہوا۔

مسلم معاشرہ کی اصلاح اور ترقی کے لیے آپ نے جو کچھ کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں آپؒ نے اپنے عملی کردار علمی مکالموں اور مکتوبات کے ذریعہ اُن صوفیاء کو آشنائے شریعت کیا جو راہ طریقت کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر گمراہ ہو گئے تھے انہیں حقیقی طریقت کا واقف کار بنایا نظریہ وحدت الوجود کی غلط تعبیرات کی وجہ سے لوگ بھٹک رہے تھے۔ آپ نے اس نظریہ کی لاج رکھتے ہوئے اس کے ساتھ نظریہ وحدۃ الشہود پیش فرمایا جو دل و دماغ دونوں کے قریب تھا۔ آپ نے اصلاحی کوششوں کے دوران قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن آخری ایام میں اپنی خانقاہ سرہند میں خلوت گزینی اختیار کر لی تھی اور سرہند میں ہی وصال فرمایا۔

اعتدال حسنِ زندگی ہے

(حمید اللہ حمیدی)

انسان اپنے قول وفعل، عمل وفکر اور معاملات زندگی میں دو روّیوں اور طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کبھی امور زندگی میں بڑی غیر ذمہ داری، لاپرواہی اور کاہلی برتتا ہے اور کبھی جذبات میں آ کر ایسا روّیہ اختیار کرتا ہے، جو عقل و دانش اور فطرت کے خلاف ہوتا ہے۔ زندگی کے کسی بھی شعبۂ معاملات اور مرحلے میں انتہائی طرزِ عمل، افراط وتفریط کہلاتا ہے۔ یعنی جب انسان فطرت کی طے کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے تو نہ صرف انسان کو ذہنی پریشانیوں، مالی نقصان اور روحانی بے چینی اور پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ عمل وکردار میں تجاوز نظام زندگی اور حسن حیات کو مسخ کر دیتا ہے۔

توازن اور اعتدال زندگی کا حُسن ہے۔ روحِ کائنات اور قانون فطرت ہے۔ یہی حسن اور قانون نظام کائنات میں دکھائی دیتا ہے۔ سورج کی شعاؤں کا مخصوص درجہ حرارت ہی اس دھرتی کی زندگی کی ضمانت ہے۔ اگر حرارت مقررہ درجہ سے تجاوز کر جائے تو ہر چیز جل کر راکھ ہوجائے۔ اسی طرح درجہ حرارت گر جانے سے سردی نا قابل برداشت ہو جائے گی۔ اسی طرح انسان کے خون کے دباؤ، جسم میں موجود شکر و دیگر وٹامنز میں کمی وبیشی کا انسانی صحت وتوانائی سے گہرا تعلق ہے۔ دین اسلام ایک فطری دین ہے جو انسانوں کو دنیا میں ایک متوازن اور فطرت کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر جینے کا سبق دیتا ہے۔ دین اسلام زندگی کو نہ تو لذّت پرستی، عیش پرستی کا نصب العین قرار دیتا ہے اور نہ ہی رہبانیت یعنی ترک دنیا اور نفس کشی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ جو لوگ عبادت و ریاضت، زیب و زینت، سماجی معاملات، رسوم و رواج، لین دین، تفریح و مشاغل، خورد ونوش اور قول وعمل میں اعتدال، نظم وضبط اور تحمل سے کام لیتے ہیں وہ زندگی میں بہت سی نفسیاتی الجھنوں، معاشی پریشانیوں اور مایوسیوں (Depression) سے محفوظ رہتے ہیں

بہت سے لوگ اپنی دولت، قابلیت اور ہوشیاری کے باوجود ناکام اور پریشان رہتے ہیں کیونکہ ان کی زندگی میں توازن اور نظم نہیں پایا جاتا۔ جس طرح نفس کشی کے شوقین کفران نعمت کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔ اسی طرح نفس پرستی سے دولت اور صحت دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔ دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق بخل اور دولت پرستی ایک انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے اور نفسیاتی تسکین کیلئے دکھاوے، نمائش، جھوٹے وقار، رسومات کی ادائیگی، تعمیرات، تقریبات پر بے تحاشا دولت کا اسراف ایک شیطانی فعل ہے۔

افراط وتفریط کے درمیان اعتدال ایک ایسا قابل عمل طریقہ اور محفوظ راستہ ہے جس پر چل کر ہم پریشانیوں اور پشیمانیوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ دولت کمانے کے ساتھ دولت کے استعمال کا طریقہ سکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ"۔ یعنی نہ ہی کنجوس اور بخیل بن کر جیو اور نہ ہی اتنی بے دردی کے ساتھ دولت ضائع کرو کہ سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے اور پھر مقروض اور محتاج بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی تمام نعمتوں سے استفادہ کرو لیکن دولت کو ضائع نہ کرو۔

اللہ نے دولت کو بے تحاشا فضولیات اور خواہشات کی تکمیل پر خرچ کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

"فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں"۔ (بنی اسرائیل)

فرمان الٰہی ہے:

"اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ (بلکہ دونوں کے درمیان) اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں"۔ (الفرقان)

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ کبھی محتاج نہیں ہوتا"۔

محسن انسانیت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "بہترین طرز عمل میانہ روی ہے"۔

ایک صاحب بصیرت مسلمان کی زندگی میں توازن اور نظم ہوتا ہے۔ وہ حقوق اللہ بھی ادا

کرتا ہے اور حقوق العباد کا بھی احترام کرتا ہے۔ وہ دنیا کی نعمتوں سے بھی استفادہ کرتا ہے اور اپنے خالق سے بھی روحانی اور قلبی رشتہ برقرار رکھتا ہے۔ اس کا دماغ دنیا میں مصروف رہتا ہے تو دل آخرت کی فکر میں دھڑکتا ہے۔ جسم دنیا میں متحرک رہتا ہے اور روح دیدارِ الٰہی کے لئے بےقرار رہتی ہے۔ وہ دنیا میں بہترین نعمتوں کا طالب ہوتا ہے تو آخرت میں انعام واکرام کے لئے دعا گو رہتا ہے۔ ایک متوازن اور منظم زندگی بسر کرنے والا کبھی مایوس اور ناکام نہیں ہوتا۔ اس کا دل مطمئن، روح پرسکون اور زندگی شادمان ہوتی ہے۔ روحانی بےسکونی، ذہنی الجھنوں اور معاشی پریشانیوں سے بچنے کے لئے معتدل اور متوازن زندگی بسر کیجئے۔

فرامین بانیٔ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

عمل : دین ودنیا میں کامیابی کے لئے عمل بہت ضروری ہے، عمل کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کتنا ہی عقلمند ہو، عالم اور فاضل ہو، جب تک عمل نہ کرے گا پتھر کی طرح اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔ اس لئے علم وتجربہ حاصل کرنے کے بعد اپنا ایک نصب العین مقرر کر لینا چاہئے کہ میں زندگی میں فلاں شے یا فلاں مرتبہ حاصل کر کے رہوں گا۔ پھر اس نصب العین کو حاصل کرنے کیلئے ایک دستورالعمل بنانا چاہئے۔ پھر خوب کوشش کرنی چاہئے کہ وہ نصب العین حاصل ہو جائے۔ نصب العین اپنے ذرائع کی ممکن حدود کے مطابق ہونا چاہئے، جب ایک نصب العین حاصل ہو جائے تو پہلے سے اعلیٰ نصب العین متعین کر کے اس کے حصول کی کوشش شروع کی جا سکتی ہے، یہاں تک کہ عمر تمام ہو جائے۔ خالی اور بیکار پڑے رہنا کسی طرح بھی شریف انسان کے شایانِ شان نہیں۔ جانور بھی بیکار نہیں رہتے اپنی اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔ (اقتباس از تعمیر ملت)

سالِ نو ساعتِ سرمستی یا وقتِ احتساب

(مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں ایک اہم ترین نعمت "**وقت**" ہے۔ وقت کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وقت کی قسم کھائی ہے، اور ایک سورۃ "**والعصر**" کے نام سے نازل ہوئی ہے۔ **عصر** کے معنی ہی زمانہ و وقت کے ہیں۔ پھر دن و رات کے مختلف مواقع ہیں، جن کیلئے الگ الگ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، جیسے، دن، رات، صبح، سورج نکلنے کا وقت وغیرہ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رات کی، دن کی، صبح کی، اور دن کے وقت سورج چڑھتے ہوئے کی قسمیں کھائی ہیں، قرآن میں جب کسی چیز کی قسم کھائی جائے تو اس سے اس چیز کی اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن مجید نے بار بار وقت کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پھر غور کیجئے کہ اکثر عبادتیں وقت ہی سے متعلق ہیں، نماز پنجگانہ جو افضل ترین عبادت ہے، اس کا اداء وقضاء ہونا، درست و نادرست ہونا مستحب و مکروہ ہونا، وقت کے ساتھ مربوط ہے، روزہ کی ابتداء وانتہاء، وقت سے اس درجہ متعلق ہے کہ اس میں دو چار منٹ کی بھی کمی زیادتی نہیں ہو سکتی، یہی حال دوسری عبادتوں کا بھی ہے۔

وقت کی اہمیت کیوں نہ ہو، کیوں کہ انسان کی نیکیاں اور برائیاں اور ثواب و عذاب سب کا تعلق وقت کے صحیح اور غلط استعمال سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب تک لوگ پانچ باتوں کا جواب نہیں دے دیں گے ان کو آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہیں ہوگی، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کس کام میں بسر کی۔ گویا آخرت کا سودا اصل وقت ہی کے حساب و کتاب سے متعلق ہے اور دنیا میں تو ہر شخص دن رات اس کا تجربہ کرتا رہتا ہے کہ وقت کی ناقدری انسان کو کس قدر نقصان پہنچاتی ہے اور وقت کی قدر دانی اسے کس قدر نیک نام و بامراد کرتی ہے۔

31 دسمبر کے بعد آنے والی رات کو جونہی گھڑی کا کانٹا بارہ بجے کو پہنچتا ہے تو یہ صرف A.M اور P.M ہی کی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ایک سال کی تبدیلی ہوتی ہے اور ایک نئے کیلنڈر کو وجود میں لاتی ہے۔ نیا سال دراصل ہمیں دو باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، ماضی کا احتساب اور آئندہ کا پروگرام، انسان کیلئے اپنے آپ کا محاسبہ ضروری ہے، یہ محاسبہ ہمہ پہلو ہونا چاہیے۔ محاسبہ دنیوی امور میں بھی ضروری ہے۔ اگر آپ کسی سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں ملازم ہوں تو غور کریں کہ آپ اس میں جو بہتر پوزیشن حاصل کر سکتے ہیں یا اپنی ایمانداری اور بہتر کارکردگی کے ذریعہ جو اعتماد آپ کا پیدا ہو سکتا ہے، کس حد تک اسے حاصل کیا ہے؟۔ اسی طرح ہر شعبۂ زندگی میں ہمیں اپنی کامیابی و ناکامی اور پیش قدمی و پست رفتاری کا جائزہ لینا چاہیے۔

انسان کا کسی چیز میں پیچھے ہو جانا بری بات نہیں، بُری بات یہ ہے کہ انسان بے حسی میں مبتلا ہو جائے، وہ ناکام ہو اور اپنی ناکامی کے اسباب پر غور نہ کرے۔ اس کے قدم پیچھے ہٹیں، اور فکر مندی کی کوئی چنگاری اس کے دل و دماغ میں سلگنے نہ پائے، وہ ٹھوکر کھائے لیکن ٹھوکر اس کے لئے مہمیز نہ بنے، جو شخص اپنے نقصان کا جائزہ لیتا ہے، اپنی کتاب زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو محسوس کرتا ہے، وہی گر کر اُٹھتا اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، جس میں اپنے احتساب اور اپنی کمزوریوں کے اعتراف کی صلاحیت ہی نہ ہو، وہ کبھی اپنی منزل کو نہیں پا سکتا۔

جیسے دنیوی اعتبار سے اپنا احتساب ضروری ہے، اسی طرح دین و اخلاق اور اعمال و کردار کے اعتبار سے احتساب ضروری ہے، اپنے معاملات کو دیکھیں کہ حلال و حرام اور مستحبات و مکروہات کے جو احکام شریعت میں ہیں، ان میں ہم سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے۔ خاص طور پر اپنے اخلاق و سلوک کا جائزہ لینا چاہیے، والدین کے ساتھ، شوہر و بیوی کے ساتھ اور دیگر پڑوسیوں، دفاتر کے رفقاء کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہے؟ وہ ہم سے راحت و سکون محسوس کرتے ہیں یا خوف و دہشت؟ ہم نے محبت کی سوغات دی ہے یا نفرت کا تحفہ؟ غرض ہمیں اپنی زندگی کے ایک

ایک عمل کا جائزہ لینا چاہئے اور خود اپنا حساب کرنا چاہیے کیونکہ انسان دوسرے انسانوں کی نگاہ سے اپنی کوتاہیوں کو چھپا سکتا ہے لیکن اپنے سے نہیں چھپا سکتا۔

آپ کو اپنا جائزہ لینا چاہیے اور خود احتسابی کی روشنی میں آئندہ سال کا نظام بنانا چاہیے، کیا بہتر کام کئے ہیں، جنہیں برقرار رکھا جائے۔ان بہتر کاموں میں معیار یا مقدار کے لحاظ سے کیا اضافہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا کوتاہیاں اور کمزوریاں ہیں جنہیں اس سال دور کیا جائے اور اگر مکمل طور پر انہیں دور نہیں کیا جاسکتا تو اسے کم کریں۔دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا ہر جگہ یہ پلاننگ اور پروگرام سازی ضروری ہے۔

لوگ سالِ نو کی خوشیاں مناتے ہیں، یہ ساعتِ جشن و مسرت نہیں بلکہ لمحہ عبرت و موعظت ہے، کیونکہ عرصہ حیات تنگ ہوتا جاتا ہے اور مقررہ عمر میں کمی ہوتی جاتی ہے۔اس لئے سالِ نو کی آمد غفلت شعار طبیعتوں کیلئے صورِ انتباہ اور سونے والوں کے لئے بیداری کا الارم ہے، نہ کہ سرمستی و عیش کوشی کا پیغام، یہ وقت ہے کہ ایک مومن کی پیشانی اللہ کی چوکھٹ پر خم ہو کہ تو نے میرے بہت سے ہم عمروں کو اُٹھالیا، اور مجھے مہلت سے سرفراز کیا ہے۔اس لئے تیرے دربار میں شکر و امتنان کے جذبات پیش کرتا ہوں، یہ وقت ہے کہ اللہ کے حضور التجاء کے لئے ہاتھ اٹھیں کہ خدایا! میرے مستقبل کو میرے ماضی سے بہتر فرما، میری نامرادیوں کو کامیابیوں سے اور میری پستیوں کو بلندیوں سے بدل دے۔خاص کر مسلمان اس وقت پورے عالم میں خدا سے غفلت شعاری اور دنیا اور متاعِ دنیا کی محبت کی جو سزا پا رہے ہیں، اس پس منظر میں پوری اُمت کو عالم اسلام اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کی دُعا کرنی چاہیے۔لیکن افسوس کہ عبرت پذیری کی اس ساعت کو بھی ہم نے عیش کوشی، خود فراموشی اور خدا فراموشی کی ساعت بنالیا ہے۔اس موقع پر رقص و سرور کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔بے حیائی اور بے ہودہ حرکات و سکنات کیلئے کبھی اہل مشرق اہل مغرب کو شرم و عار دلاتے تھے اب خود اس بے حیائی میں سب سے آگے ہے۔

مقامِ فقرِ محمدی ﷺ

(عبدالرشید ساہی)

مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاہی سے　فطرت کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے

جہاں رسالت و نبوت کا دروازہ بند ہوتا ہے وہاں سے فقرِ محمدی ﷺ کا آغاز ہوتا ہے نبی مکرم مصطفیٰ کریم ﷺ کی اعلیٰ ترین نبوت و رسالت کا فیضان خلقِ خدا تک فقر کی صورت میں چلتا رہے گا نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ فقر میں ذکر و فکر اور ادراک و تدبر تمام وہ حقائق ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اقتدائے سنت میں رہ کر بندہ مرتبہ انسانیت کو پانے کی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ فقرِ محمدی ﷺ کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "فقر میرا فخر ہے"۔

فقر ماسویٰ اللہ سے بے نیازی اور استغناء کا وہ عالم ہے جب فقیر کی نگاہ میں ہونا نہ ہونا برابر ہو، جب ساری کائنات کی دولت اس کے قدموں میں پڑی ہو اور وہ اسے ٹھکرا کر اپنے اللہ کو اپنا محبوب و مقصود بنا لے۔ قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈارؒ نے فرمایا کہ "اِسلامی فقر میں دنیا سے گریز اور رہبانیت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ مردِ مومن کو دنیا کے تمام فرائض احسن طریقہ سے ادا کرتے ہوئے، مادی قوتوں کو کام میں لاتے اور نعمتوں سے مستفیض ہوتے ہوئے بھی اِن کا غلام بن جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے بلکہ اِس کا مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کا قرب اور اِس کی رضا ہوتا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں "فقر جب زیرِ آسماں عریاں ہو جاتا ہے تو اس کی ہیبت سے چاند اور سورج لرز جاتے ہیں فقیر صاحبِ تسخیر ہوتا ہے اس کی اپنی مرضی نہیں رہتی وہ اپنے مالک کی مرضی کا پابند ہوتا ہے۔ صاحبِ فقر پیکرِ تسلیم و رضا ہوتا ہے اسے وصلِ مولا کی بجائے رضائے مولا کی طلب ہوتی ہے۔ مومن کی زندگی تسلیم و رضا سے محکم ہوتی ہے۔

فقر محمدی ﷺ دراصل راہِ استقامت ہے جو صحابہ کرامؓ کو براہ راست نگاہ نبوت سے حاصل ہوا اور اُس وقت سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ خواہشاتِ نفس کو چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب حاصل کر لینا فقر کی منزل ہے شاید علامہ اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات بندہ از تا ثیر او مولیٰ صفات

مومن کا فقر کیا ہے۔ کائنات کی تسخیر کرنا اور بندے کے اندر اپنے مولا کی صفات کو منعکس کرنا، صاحب فقر جب تاثیر فقر سے خلق خدا کو فیضیاب فرماتا ہے تو عالم ارض و سماء عالم حیرت میں چلے جاتے ہیں دیکھنے والے کہتے ہیں یہ کیسے اور کیونکر ہوا۔ بھائی! کرنے والے نے کر دیا اور کسی کے کہنے پر کر دیا تمہیں کیا اعتراض ہے۔

حدیث قدسی ہے "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب بندہ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اس کی نگاہ بن جاتا ہوں اس کی زبان بن جاتا ہوں"۔

آج جس فقر کو دین کے لبادہ میں انسانیت کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے دراصل یہ دین سے بغاوت اور انتہائی نفس پرستی ہے جتنا نقصان دین کو اس نام نہاد فقر نے پہنچایا ہے اس کا ازالہ مشکل ہے۔ زر پرستوں نے عجیب حکایتیں اور رنگ ریلیں اور قصہ کہانیاں عوام کے دلوں میں ڈال دی ہیں کہ لوگ حقائق کو ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے بلکہ بحث کرتے اور من گھڑت دلائل دینے شروع کر دیتے ہیں ایسی ایسی باتیں سناتے ہیں جن کا قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ دراصل جہالت اور کم علمی کی بدولت یہ مرض بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ ایک طوفان بدتمیزی ہے جس کو روکنا انتہائی ضروری ہے خود میرے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ جب میں کمسن تھا، اکثر ہیر وارث شاہ کا مطالعہ کیا کرتا اور تصور ہی تصور میں اپنے آپ کو میاں رانجھے کے مقام پر دیکھنا شروع کر دیا، دین سے دوری نماز سے غفلت برتنی شروع کر دی، جب اللہ تعالیٰ کے

فضل سے میری ملاقات پیرومرشد قبلہ محمد صدیق ڈارؒ سے ہوئی تو میں نے اُن سے سوال کیا کہ کیا ہیر وارث شاہ قرآن کی تفسیر ہی میں لکھی گئی ہے تو قبلہ ڈار صاحبؒ نے فرمایا بیٹے! جب قرآن پاک آپ کے پاس اصل صورت میں موجود ہے تب کسی اور کتاب کی رہنمائی کی کیا ضرورت ہے! اللہ ہمیں خرافات سے بچائے اور دین کی اصل سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

فقر قرآں احتساب ہست و بود نے رباب و مستی و رقص و سرور

قرآن پاک کا فقر تو یہ ہے کہ ہست و بود کا احتساب کیا جائے یہ فقر رباب، مستی و رقص اور سرور نہیں ہے۔ قرآن پاک سارے کا سارا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اداؤں کا نام ہے جب قرآن پاک نازل ہو رہا تھا تو نبی ختم المرسلین ﷺ صحابہ کرامؓ کو درس قرآن دیتے تو جب تک صحابہ کرامؓ اس تعلیم کو اپنے اوپر لاگو اور عملاً نافذ نہ کر لیتے اس وقت تک اگلا سبق نہیں لیتے تھے۔ آج علم کی بہتات ہے لیکن عمل مفقود ہے بلکہ ظلم تو یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کو سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ ایصالِ ثواب اور حصولِ ثواب کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ یہ تو کتاب ہدایت ہے۔ علماء حضرات بھی بتا دیتے ہیں کہ فلاں آیت کو پڑھنے کا اتنا ثواب ہے فلاں ذکر کرنے کا اتنا ثواب ہے۔ قرآن پاک تو کتابِ قانون ہے، یہ بے عیب اور لاریب کتاب ہے اس کا مطالعہ کر کے اس کو اپنے اوپر لاگو کر لینے والا انسان بھی بے عیب ہی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہ تمام علوم کا سردار اور موجد ہے ایجادات اور ساری کی ساری سائنس اس کی بدولت ہے حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں فقر محبوبِ خدا نبی کریم ﷺ کا ورثہ ہے جس کی ابتداء و انتہا شریعت ہے۔ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ فرمایا کرتے تھے جو انسان شریعت سے باہر فقیری تلاش کرتا ہے ایسا انسان جاہل ہوتا ہے۔ شریعت G.T روڈ ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے "یہی سیدھا راستہ ہے"

دنیا کی زندگی تو ایک امتحان گاہ ہے روزِ محشر ہر کوئی اپنے اپنے کئے کی جزاء و سزا پائے گا اور انشاءاللہ یہاں بھی انسان کو اس کے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا اللہ تعالیٰ کا قانون ہے وہ اپنی مخلوق میں سکھ اور چین تقسیم کرنے والوں کو بھی دکھ نہیں دیتا ظلم کرنے والا یہاں بھی چین نہیں پاتا اور نہ ہی

روزِمحشر اس کو چین نصیب ہوگا ایک روز میرے مرشد ڈار صاحبؒ فرما رہے تھے کہ مجدد وہی انسان ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو خالص اور اس کی اصل روح کو مخلوق کے سامنے پیش کرے۔ بوجہ جہالت جو رسم و رواج عوام نے دین کے ساتھ منسلک کئے ہوتے ہیں مجدد ان کو نفی کرتا ہے اور عقیدہ توحید کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

"جس نے کہا کہ اللہ ہی میرا ربّ ہے اور پھر اس پر ڈٹ گیا، اس کی مدد کے لئے ہم فرشتے نازل کرتے ہیں"۔

قرآن مجید میں بھی ایسے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں کہ علم و عقل اس کیفیت کو نہیں پا سکتے یہ تو مالک ارض و سما کی مرضی و منشا کی بات ہے یہ تو اس ذات کبریا کی عطا ہے اس حاکم اعلیٰ کے فضل و کرم کی نوازش ہے، عطاء کرنے والا عطا کر رہا ہے۔ باطنی آنکھ نہ رکھنے والوں کو کیسے نظر آئے کہیں کسی کے کہنے پر ملک صبا سے ملکہ بلقیس کا تخت آنکھ جھپکنے میں، حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھیجا جا رہا ہے، کہیں حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ مٹی کے پرندے بنا کر اس کے حکم سے پھونک مار کر ہوا میں اڑا رہے ہیں مادر زاد اندھوں کو آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر بینائی لوٹا رہے ہیں، کہیں مردے زندہ ہو رہے ہیں، کہیں پر کنکریاں محبوب عظیم مصطفیٰ کریم ﷺ کے ہاتھوں میں کلمہ طیبہ پڑھ رہی ہیں کہیں قلعہ خیبر کی فتح کی نوید سنائی جا رہی ہے کہیں جانی دشمنوں کے درمیان سے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہو رہی ہے لیکن ان کے قلوب اور آنکھیں اندھی کر دی گئیں۔ کہیں مصطفیٰ کریم ﷺ کی مرضی کے مطابق قبلہ تبدیل کیا جا رہا ہے، کہیں بدر کے میدان میں اللہ اپنے بندوں کی فرشتوں کے ذریعے مدد فرما رہے ہیں کہیں اپنے محبوب کی اداؤں کی تعریف کی جا رہی ہے اور کہیں محبوب مصطفیٰ ﷺ اپنے چاہنے والوں میں جنت کے ٹکٹ تقسیم کر رہے ہیں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

ربّ کبریا کی عطا پر شک کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ کسی انعمت (انعام یافتہ) کو تلاش کریں پھر اس انعام یافتہ کی نگاہ کی تابانیاں دیکھیں حیرت زدہ رہ جائیں گے کیا وہ ان تمام

جہانوں اور کائنات کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت تسلیم نہیں کرتے ؟ اور اگر کرتے ہیں تو مالک جو چاہے جتنا چاہے کسی کو عطا فرمادے وہ اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں اگر رب کبریا اپنے محبوب مصطفیٰ کریم ﷺ کو اپنی نعمتوں کی تقسیم کے لئے منتخب فرمالیں تو انکو کیا مسئلہ ہے۔ اللہ پاک کی مخلوق کے ساتھ محبت کر کے دیکھو، روحانی مہلک امراض جیسے نفرت، حسد، کدورت، بغض اور کینہ سے نجات حاصل کر لی جائے تو اس کا قرب ضرور نصیب ہوگا اور جب اس کا قرب نصیب ہوگا تو پھر دل کی آنکھ بیدار ہو جائے گی اس مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے محمد بخشؒ یوں فرماتے ہیں۔

جے ربّ دل دیاں اکھاں دیوے تے ہووے فضل حضوردا
عاشق تائیں نظر آوے کیا نیڑے کیا دوروں

حکمرانو! غور سے سنو! جو لوٹ کھسوٹ کر رہے ہو اس سے باز آ جاؤ روزِ محشر اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے غریب عوام کا اتنا خون نہ چوسو کہ وہ مر جائے وعدوں کی پابندی کرو، عوام کو زندگی گزارنے کیلئے آسانیاں پیدا کرو۔ چند پیسوں کی خاطر غیرت وحمیت نہ بیچو۔ اپنی خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کر کے اس کو مفید بناؤ۔ اس میں اصل زندگی ہے غیرت کی زندگی اور غیرت کی موت میں بڑی شان پوشیدہ ہے۔ غیرت پر مر جانے والے حقیقی زندگی پا جاتے ہیں زمانہ روزِ محشر تک ان کو یاد رکھتا ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرداری

اب مسلمانوں پر ہونے والی اپنے ہی مسلمانوں کی زیادتیوں کا ذکر کرتا ہوں۔

گزشتہ ایک سال سے سعودی حکومت غیر ملکیوں اور خاص طور پر پاکستانیوں کیلئے قانون سخت کر رہی ہے بلکہ مزدوروں کے خون چوس رہی ہے تنازل اور اقامے پر اتنے ٹیکس لگا دیئے ہیں کہ مزدوروں کا بچوں کے پیٹ پالنا مشکل ہو گیا ہے لیکن ہمارے حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی وہ اپنے اقتدار کے مزے اڑا رہے ہیں حکومت وقت اور خاص طور پر

میاں برادران کو چاہیے کہ وہ غیر ملکیوں اور خاص طور پر پاکستانیوں کو ریلیف دلوائیں ان کے تو تعلق بھی شاہی خاندان سے بہت اچھے ہیں اور سعودی عرب میں فائز سفارتی عملہ کو بھی اپنے فرائض بخوبی احسن ادا کرنے چاہیں اور اپنے لوگوں کی مشکلات سے حکومت کو آگاہ کرنا ان کی حقیقی ذمہ داری ہے یاد رکھو اپنی عوام کے حقوق کا تحفظ کرنا ہی زندہ قوموں کی نشانی ہوتی ہے اپنے موضوع سے دور نکل گیا ہوں تو میں عرض کر رہا تھا کہ اصل فقیری تو محبوب خداﷺ کی اداؤں کو اپنانے کا نام ہے اللہ تعالی انہیں اپنے پیاروں میں شامل فرمالے تو یہ لوگ آپﷺ کا اتباع کریں اللہ انہیں بھی اپنا محبوب بنالے گا۔ دراصل ہم لوگ دین سے بہت دور ہو چکے ہیں ہم نے مولا مرضی کے اسلام کے بجائے من مرضی کا اسلام اپنا رکھا ہے اسی لئے ربّ العزت نے ملت اسلامیہ پر سے اپنی رحمتیں اٹھالی ہیں۔ یہود و نصاریٰ، کفار آج قہر بن کر ہم پر برس رہے ہیں ہوس پرست مولوی نے عوام کو زبانی کلامی مسلمان بنا دیا ہے لیکن حقیقت سے شناسا نہیں کیا بعض پیر خانوں اور مزارات پر ایسی ایسی خرافات و رسوم ادا کی جاتی ہیں کہ اسلام کا تو ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ قبروں اور نام نہاد پیروں کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے، چرس کے کش لگتے ہیں دین اسلام کے کسی ارکان کی ادائیگی کا ہوش نہیں ہوتا۔

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری

آیئے اپنے ربّ کریم اور پیارے رسولﷺ کو گواہ بنا کر عہد کریں کہ مسکینی والی فقیری کے خلاف جہاد کریں گے اس کی مزمت کریں گے اس کی نفی کریں گے اور جاہلانہ، ہندوانہ رسوم کی نہ صرف ادائیگی سے پرہیز کریں گے بلکہ ان کی مخالفت میں اپنی ساری توانائی خرچ کر دیں گے۔ سب سے زیادہ شدید ترین محبت اللہ کریم سے کریں گے اور رسول ہاشمیﷺ کے ساتھ والہانہ عشق و اتباع میں اپنی زندگیاں کھپا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا قرب اور پیارے رسولﷺ کا عشق عطا فرمائے۔

نماز کی محبت نے مسلمان ہونے پر مجبور کر دیا

(ابو طلحہ محمد اظہار الحسن محمود)

ایک انگریز تاجر کی ووکنگ مسجد میں آمد و رفت تھی وہ جب بھی مسجد میں آتا بڑے شوق سے وضو کرتا نہایت ہی انکساری سے نماز پڑھتا بہت دیر تک سجدہ میں گرا رہتا اور ایسی محویت کے ساتھ دعا کرتا کہ پاس بیٹھے ہوئے لوگ اس کے سوز گداز کو محسوس کرتے۔ایک دن مسجد کے امام صاحب نے پوچھا: آپ کے قبول اسلام کا سبب کیا ہے؟ انگریز نے جواب دیا ''نماز کا جادو''یعنی نماز کی کشش امام صاحب نے پوچھا مگر نماز تو آپ نے قبول اسلام کے بعد پڑھی ہوگی؟اس نے جواب دیا:نہیں! میری نماز پہلے تھی اور قبول اسلام بعد میں ہوا۔امام صاحب نے پھر کہا یہ بڑی عجیب بات ہے۔ ذرا تفصیل سے آپ بتانا چاہیں گے کہ اسلام سے پہلے نماز تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی؟

اس پر اس نے کہا: امام صاحب !میرے قبول اسلام کا واقعہ یقیناً بڑا عجیب ہے وہ اس طرح کہ 1912ء سے میں مشرقی افریقہ کے برطانوی علاقہ کینیا میں آباد ہوں اور وہاں میری بہت بڑی تجارت ہے مذہبی اعتبار سے میں پروٹسٹنٹ عیسائی تھا اور اپنے عقیدہ میں بہت سخت تھا۔کاروبار کے سلسلہ میں میرے وقت کا بڑا حصہ بیرون ملک کے سفر میں گزرتا تھا لیکن کاروبار کی سخت مشغولیت بھی مجھے انجیل کے مطالعہ اور مذہبی جلسوں کی شرکت سے باز نہ رکھتی تھی۔انجیل کا ایک نسخہ ہر وقت میرے ساتھ ہوتا تھا اور میرا اعتقاد تھا کہ میری روح کا زیور یہی ہے۔

امام صاحب! اس دوران مجھے مصر جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں پہلی مرتبہ میں نے اسلام کے تاریخی مقامات کی سیاحت کی میں نے دریائے نیل دیکھ کر فرعون کی پوزیشن سمجھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی حقیقی صورت سے بھی آگاہ ہوا۔۔میں نے وہاں کے مشہور تاریخی اور دینی ادارے جامعہ الازہر کی زیارت کی ،مسجد محمد علی کبیر،مسجد محمد حسین کو دیکھا ان زیارتوں کا میرے دل پر خاص اثر ہوا اس کے بعد میں کثرت سے مصر جانے لگا۔آہستہ آہستہ

میری یہ حالت ہوگئی کہ میں جب بھی کاروبار سے ذرا فارغ ہوتا ایک اندرونی جذبہ میرے دل کو پکڑ لیتا اور کشاں کشاں مجھے اسلامی مسجدوں میں لے جاتا۔ میں وہاں خدا پرستی کی کچھ ایسی دل نواز کیفیتیں دیکھتا تھا کہ جن سے دل کبھی سیر نہ ہوتا تھا۔

وہاں ایک شخص ایک اونچے مینار پر کھڑا ہو جاتا اور نہایت دلکشی کے ساتھ ایک روحانی گیت گاتا۔ یعنی اذان جس سے مسجد کی فضائیں جھومنے لگتیں اس کے بعد امیر اور غریب، گورے اور کالے، چھوٹے اور بڑے سب مسلمان جوق در جوق مسجد میں داخل ہوتے عمامے اور عبائیں اتار کر ننگے پاؤں پانی والے حوض کے گرد بیٹھ جاتے پھر یہ لوگ اپنا ہاتھ منہ دھوتے دانت صاف کرتے میں دیکھتا کہ ہر مسلمان جسم کے ان تمام حصوں کو جہاں گرد پڑ سکتی ہے یا جس سے کاروبار کے وقت کام پڑتا بڑی احتیاط سے کئی مرتبہ دھو کے صاف اور اجلا کر لیتا اس کے بعد سب لوگ حوض سے اٹھتے کپڑے پہنتے اور قطاریں بنا کر مسجد کے دالان میں بڑی محبت سے بیٹھ جاتے۔

اس کے بعد پھر وہی گیت یعنی اقامت کہی جاتی اور تمام حاضرین نہایت ہی ادب اور وقار کے ساتھ صفیں بنا لیتے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے میدان جنگ کی منظم اور مرتب صفیں یاد آجاتیں پھر نماز شروع ہو جاتی اور تمام مسجد میں ہیبت و جلال اور سکون و سکوت کی کیفیتیں چھا جاتیں، پھر دل لبھا دینے والے رکوع و سجود کے مناظر میری آنکھوں کو دیکھنے کے لیے ملتے۔ یہ مناظر ایسے موثر ہوتے تھے کہ جس شخص میں ذرا بھی عقل و احساس موجود ہو وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ان چیزوں کا لازمی طور سے دل پر اثر پڑتا تھا اور دیکھنے والے کو اللہ کی شان نظر آتی تھی اور انسان محسوس کرتا تھا کہ گویا میں اس دنیا سے بلند ہو کر کسی دوسرے عالم میں کھچا چلا جارہا ہوں۔

سچ پوچھیے! نماز کی دلکشی اور جاذبیت کا اثر گویا جادو کی طرح میرے دل پر اثر انداز ہو رہا تھا اور نماز کے عمل کی خوشنمایوں نے میرے دل کو جیت لیا سجدہ ریز ہونے نے میری فطرت کو زیر کر لیا جب وہ حوض کے کنارے بیٹھتے تو مجھے حسرت ہوتی کہ کاش میں ان کے ساتھ شامل ہو سکتا جب وہ قطاریں باندھتے تو میں خیال کرنے لگتا اے کاش میں بھی دوڑ کر ان کے ساتھ

مل جاؤں جب وہ سجدے میں گرتے تو میرا دل بیٹھ جاتا کہ میں ان کے ساتھ کیوں شامل نہیں؟ میں مسجد میں خوشی کے ساتھ داخل ہوتا تھا لیکن جب نماز کے بعد واپس لوٹتا تو محسوس کرتا تھا کہ گویا دوسروں کے دامن مراد پھولوں سے بھرے ہیں اور میرا دامن خالی ہے اسلام نے نماز کی خوشنمائی کی راہ سے مجھ پر حملہ کیا اور مجھ پر اسلام کا عمل تسخیر شروع ہو گیا نماز کے دل گداز نظارے اور اسلامی عبادت کی روح پرور کیفیتیں مجھ میں اسلام کی کشش بھرنے لگیں اور میرے آبائی عقائد میں ضعف آنا شروع ہو گیا۔ میں اکثر دل کے چمن کو شکوک کے کانٹوں سے پاک کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن میری یہ تمام کوششیں بے کار تھیں۔ مجھ پر حضرت محمدﷺ کی دینی علوم کی خواہش غالب آگئی اور اب میں مطالعہ اسلام کے لیے بہت بے چین ہو گیا۔

میں اسلامی تعلیمات کا بڑے غور سے مطالعہ کرنے لگا جس قدر میرا مطالعہ بڑھا اسی قدر میرے شوق کا دامن پھیلتا چلا گیا آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے عربی زبان ضرور سیکھنا چاہیے اسی دھن میں کئی سال گزر گئے جس قدر اسلام کے متعلق میری بحث وتحقیق کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا اسی قدر میری روحانی پیاس بڑھتی چلی گئی۔ آخر کار میں پوری طرح اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ ایک دن میں نے اذان سنی ... ناگہاں کسی چیز نے میرے دل کو کھینچا اور میں نمازیوں کی صف میں شامل ہو گیا۔

الحمد اللہ! اب میں پورے طور پر مسلمان ہوں اور میری رائے ہے کہ کوئی دین اور مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا ایک نماز ہی کو لیجئے صرف اس ایک چیز میں ایسے لطیف، عجیب اور عظیم الاشان سبق موجود ہیں جو ساری دنیا کی نجات اور رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ اس میں لطافت اور پاکیزگی ہے۔ اس میں غسل ووضو کے پاکیزہ ضابطے ہیں، اس میں عجیب قسم کی ورزش ہے، اس میں اتحاد و اجتماع ہے، اس میں مساوات و ہمدردی ہے، نظم وضبط وقت کی پابندی ہے ان خوبیوں کے بعد یہ بہترین عبادت ہے۔ اس کے علاوہ نماز میں امام کی اطاعت اور اہل اسلام کے لئے اجتماعی نظام کا راز بھی پوشیدہ ہے۔ باقی رہے بندے کا خدا سے راز و نیاز کا سلسلہ تو یہ ایک ایسا کرشمہ ہے جسے ہم محسوس تو کر سکتے ہیں مگر بیان نہیں کر سکتے۔

اسلام ۔موجودہ مسائل کا حل

(پیر خان توحیدی)

اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام اسلام ہے۔حضور سرورِ کائنات کی تعلیم کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔اسلام وہ سیدھا دین ہےجسکی عام فہم تعلیم ہر ایک کی سمجھ میں بآسانی آسکتی ہے۔اسلام وہ دین ہے جوانسان کی سرشت کو بیان کرتا ہے اور ایسے احوال بتاتا ہے جن میں تبدیلی ناممکن ہے۔اسلام وہ دین ہے جوانسان کو ساری کائنات کا سردار بناتا ہے اور بندوں کا تعلق اپنے اللہ سے مضبوط اور مستحکم کرتا ہے اسلام وہ دین ہے جو انسان کو اللہ کے حضور ذلیل اور عاجز بندہ بننے کی تعلیم دیتا ہےقوموں اور ملکوں کو متحد اور متفق بنا کر ان میں مساوات قائم کرتا ہے اسلام ہی وہ دین ہے جس کے اصول عیسائیوں ،یہودیوں ،بت پرستوں،منکروں، ملحدوں،تو ہم پرستوں اور فسطائیوں کے اصولوں پر غالب آ ئیں۔

اس وقت دنیا میں تقریباً ستر کے قریب مسلم مما لک کی تعداد ہے جہاں تقریباً ڈھائی ارب کے قریب مسلمان بستے ہیں بہت سارے مسلمان دیگر مما لک میں بسلسلہ روزگار سکونت پذیر ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر ملک میں مسلمان کو اچھی نگاہ سے دیکھا نہیں جاتا۔آئے دن ریڈیو،ٹی وی اور دیگر ذرائع نشر و اشاعت سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر جگہ ذلیل وخوار کیا جاتا ہےاوران کے مما لک میں قتل و غارت کے بازار گرم ہیں۔فحاشی اور عریانی عام ہےمسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جارہا ہے۔ان کی طاقت کو کمزور کیا جارہا ہےاوران کے مسائل کو بڑھایا جارہا ہے۔یہ سب کچھ ہونے کے باوجود مسلمانوں کے اندر نہ تو قومی غیرت جاگتی ہے اور نہ مسلمانی جذبہ ابھرتا نظر آتا ہے یہ اپنی ایمانی قدروں کو بھول گئے ہیں غیروں کے طرز زندگی کو اپنانا فخر اور بڑائی جانتے ہیں۔

دنیا کا خواہ کوئی بھی معاشرہ ہو کوئی بھی ملک ہو اگر وہ زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتا ہے

تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فکری تسلسل کو برقرار رکھے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو وہ اپنی اجتماعی حیثیت کھو بیٹھتا ہے اور تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔ آج دنیا ترقی کے راستہ پر گامزن ہے مسلم ممالک بھی بڑی تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔ تعلیم، صنعت وحرفت اور مختلف شعبوں میں اپنا نام تو پیدا کر لیا ہے لیکن اللہ کو بھول گئے ہیں اس کی اطاعت، عبادت اور اس کی فرمانبرداری سے منحرف ہوئے جاتے ہیں جسکی وجہ سے ان سارے ممالک کو زبردست بگاڑ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یہ عظیم کائنات اللہ نے انسان کے لئے پیدا کی ہے اور انسان کو اپنی اطاعت عبادت اور ریاضت کے لئے پیدا کیا ہے لیکن انسان اپنے حقیقی مقصد کو بھول کر غلط رخ پر چل نکلا ہے اور حرص و ہوس نے انسانی ذہن کو اپنے شکنجہ میں لے لیا ہے وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی ساری دولت اس کے ہاتھ آ جائے اس کے لئے وہ ہر قسم کے غلط طریقے اور ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے لاکھوں کروڑوں روپے جمع کر کے بھی اسے تسلی حاصل نہیں ہوتی اور مزید دولت حاصل کرنے کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے جسکی وجہ سے انسانی مسائل میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ایسے حالات میں جب ساری دنیا کے مسلمانوں پر ظلم وزیادتی، قتل وغارت، فرقہ پرستی اور دہشت گردی کے بادل منڈلاتے دیکھائی دیتے ہیں، نہ کسی کی جان محفوظ ہے اور نہ کسی کا مال۔ ہر طرف لوٹ مار اور کرپشن کا زور ہے تو اسلام ہی ایک راستہ ہے جسکے ذریعہ نجات حاصل ہونے کے امکان ہیں۔ اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام ہی امن و آشتی کا علمبردار ہے اور اسلام ہی اس بگاڑ کا واحد علاج ہے اسلام سب سے پہلے اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان جو خدا کو بھول گیا ہے وہ خدا کی طرف پلٹ آئے کیونکہ خدا ہی اس کائنات کا مالک ہے اور اس کی اس پر حکومت ہے اس کا انکار بہت بڑی حقیقت کا انکار ہے اور کسی بھی حقیقت کے انکار کے بعد انسان جو رویہ بھی اختیار کرے وہ غلط رویہ ہو گا اس لئے اس کی پہلی تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان خدا کو مانے اور یہ اقرار کرے کہ دنیا پر اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں اور مجھے اپنا تعلق اس سے جوڑنا چاہیے، ہر شعبہ میں اس کے احکامات کی اطاعت اور فرماں برداری کرنی چاہیے۔

اللہ کے رسول ﷺ اسی لئے دنیا میں آئے اور اپنے دور اور ماحول کی اصلاح کا فرض انجام دیتے رہے۔اس کے ساتھ اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ اللہ کا بندہ بننے کے بعد انسان کو کیسی زندگی گزارنی چاہیے اس کا عقیدہ کیا ہو اللہ کا شکر کیسے ادا کرے اس کی عبادت کیسے کرے۔کس طرح اخلاق کا پابند رہے اور لوگوں کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرے تیسری بات یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نگرانی کر رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ وہ کیسے اعمال کر رہے ہیں اور کس طرح کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔موت کے بعد وہ اپنے بندوں کا حساب لے گا اور ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔اسلام کی ایک بنیادی تعلیم یہ بھی ہے کہ زمین میں فساد نہ ہونے دو کیونکہ اللہ نے جو کائنات بنائی ہے اس میں کہیں بھی کوئی فساد اور بگاڑ نہیں۔اسلام دنیا کی اصلاح کے لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ انسانوں کے اندر مساوات ہو۔عدل ہو، انصاف ہو اور اللہ کے نزدیک بہتر انسان وہ ہے جس کے اندر تقویٰ ہو جو خدا سے ڈرے وہی برتر اور افضل ہے۔

اسلام قیام عدل کا حکم دیتا ہے کیونکہ عدل و انصاف کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا بلکہ اس کا وجود بھی باقی نہیں رہتا۔قرآن مجید بھی تاکید کرتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو یہاں تک کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے لیکن آج انصاف ناپید ہو گیا ہے عدل ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے قتل و غارت عام ہے کسی کو انصاف کے کٹہرے میں نہیں لایا جاتا اور نہ ہی کسی کو انصاف کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے ہر سو انارکی پھیلی ہوئی ہے، دہشت گردی عام ہے، خوف خدا دلوں سے محو ہو گیا ہے مسلمان مسلمان کا دشمن بن گیا ہے جرائم میں اضافہ ہو گیا ہے اور ملک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔

اسلام اللہ کا دین ہے اور یہ دین صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے اور یہ بات پوری دنیا کے سامنے آنی چاہیے جب تک یہ بات پوری دنیا کے سامنے نہیں آئے گی اس وقت تک اسلام کی صحیح تصویر بھی دنیا کے سامنے نہیں آئے گی۔جب اسلام کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں یہ مسلمانوں کا مذہب ہے حالانکہ اسلام کے معنی ہیں

اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا اور جو بھی اللہ کے سامنے سر جھکا دے اور اس کے احکامات کا پابند ہو جائے وہ مسلم ہے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں جسے انصاف اور مساوات کی بنیاد پر اسلام نے حل نہ کیا ہو۔ یہ دنیا اس وقت عجیب اضطراب کی حالت میں مبتلا ہے چاہے کوئی ترقی یافتہ ملک ہے یا ترقی پذیر یا پسماندہ ملک ہے سب پریشان ہیں اور دنیا امن وسکون سے محروم ہے ان سب کے دکھ درد، اضطراب اور پریشانی کا واحد حل اگر ہے تو اسلام ہے اسی کے ذریعے انصاف قائم ہوگا۔ زمین فساد سے پاک ہوگی انسانوں کی دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت بھی اچھی ہوگی۔

بانیٔ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا:

اسلامی تصوف میں نفس کو بالکل ہلاک کر دینا اور قطعاً مٹا دینا منع ہے۔ اگر روزانہ کی زندگی میں جو ناقابل برداشت واقعات اور حادثات پیش آتے ہیں مثلاً سالک کا اکلوتا بیٹا فوت ہو جائے، بڑی عزت اور معقول تنخواہ کی نوکری چھوٹ جائے اور ایک پیسہ نہ ہو اور بیوی بچوں کا خرچ ناگزیر ہو جائے، گھر میں آگ لگ جائے، یا چوری ہو جائے کہ ایک چیز نہ بچے، جھوٹا الزام لگے اور قید خانے کی ہوا کھانا پڑے۔ کوئی سخت بیماری آن پڑے اور علاج کی مقدرت نہ ہو الغرض ایسی کئی تکلیفیں جس سے سالک دوچار ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کا اثر پانچ دس منٹ نہیں تو زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے رہنا چاہیے۔ اس کے بعد جب اللہ کی طرف دھیان کرے تو سوائے اللہ کے کچھ یاد نہ رہے۔ اس سے روحانی قوت اتنی بڑھتی ہے۔ اتنا سکون قلب حاصل ہوتا ہے کہ جس کا تجربہ صرف وہی جان سکتا ہے۔

میں نے جو حلقۂ توحیدیہ کی تعلیم میں تزکیۂ اخلاق کے لئے غصہ کو نفی کرنا لازم قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کی نفی سے قوت برداشت پیدا ہوتی ہے۔ پہلے زمانے کے بزرگ قوت برداشت پیدا کرنے کیلئے اپنے مریدوں کو کئی کئی سال تک سفر کرنے کا حکم دیتے تھے، سقے اور خاکروب کا کام کرواتے اور بھیک منگواتے تھے۔ آج زمانہ بدل چکا ہے۔

(اقتباس از چراغ راہ صفحہ -232)

ایمان اور اسلام

(پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی ۔ چوک اعظم)

اسلام میں داخلہ کلمہ سے ہوتا ہے لیکن اصل روح یہ ہے کہ پوری زندگی میں مکمل طور پر اطاعت وفرمانبرداری، کامل سپردگی ہو۔ اسلام دین فطرت اور اعتدال پسند دین ہے۔ یہ انسان کو سادگی اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے جو اس کی بہت سی جسمانی قوتوں، مال او روقت کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس عارضی دنیا میں عیش ونشاط اورتن آسانی والی زندگی گزارنا مومن کی نشانی نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشادفرماتے ہیں کہ اے اہلِ ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام دو مختلف چیزیں ہیں۔ پہلے ایمان لانا ہے پھر اسلام میں داخل ہونا ہے۔ ایمان کے معنی ہیں دل و جان سے کسی چیز کو جاننا اس پر اعتماد کرنا اوراس کی بات کو سچ ماننا ہے۔ ایمان کی اصل روح یہی اعتماد ویقین ہے۔ جبکہ اسلام کے معنی ہیں اپنا آپ کسی کے آگے تابع کرنا، جھکا دینا کے ہیں۔

اسلام میں داخل ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیم کے آگے جھکا دے۔

جب کسی شخص نے کلمہ شہادت، کلمہ توحید پڑھ لیا تو وہ ایمان لے آیا۔ اب اسے اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت ہے۔ ایمان کی دعویدار قوم ایمان کی صحیح تعریف سے واقف ہوکر پہلے صحیح انسان اور پھر حقیقی مسلمان بنے، اس کا پختہ یقین ہو کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، دھوکہ نہیں دیتا، کسی کا حق نہیں مارتا، معاملات کا ستھرا، لین دین کا کھرا، قول کا سچا اور وعدے کا پکا ہوتا ہے۔ کمائی میں سچائی اور دیانت کو مقدم رکھتا ہے حتیٰ کہ خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانا اسکا

امتیازی وصف ہوتا ہے۔ گویا وہ اپنے وجود کواللہ پاک کے حکم کے تابع کرلیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آتا ہےتو اس کوتسلیم کرتا ہےاوراس پر عمل کرتا ہے۔جو شخص اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق، جن کی پوری فہرست اللہ کی کتاب میں موجود ہے، ادانہیں کرتا وہ ایمان کی پختگی سے محروم ہے۔اور جو شخص کسی بات کونبھانے کا قول وقرار دے، پھر اسے نہ نبھائے، اس عہد کو پورا نہ کرے، وہ دین داری کی نعمت سے محروم ہے۔جس کے دل میں ایمان کی جڑیں مضبوطی سے جمی ہوتی ہیں، وہ تمام حقوق کی ادائیگی میں امین ہوتا ہے کسی کے حق کی ادائیگی میں خیانت نہیں کرتا۔ یادرہے کہ سب سے بڑا حق اللہ اوراس کے رسول ﷺ کا ہے۔

اگر کوئی شخص ایمان اورعقیدے کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوگیا ہےتو اب اُسے ایمان اورعقیدے کے مختلف تقاضوں کوبھی پورا کرنا ہوگا۔اپنی پوری زندگی کواللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع بنانے کا نام "**اسلام**" ہے۔اسلام کے پانچ شعبے ہیں:

1- عقائد 2- عبادات 3- معاملات

4- معاشرت 4- اخلاق

ہمیں اپنی زندگی میں اسلام داخل کرنا ہے۔زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کوداخل کریں۔ کہ ہم مکمل مسلمان ومومن کہلانے کے حقدار ہوں۔

☆...... عقائد کے لحاظ سےعقیدہ درست ہونا چاہیے۔

☆...... عبادت، محبت کے جذبہ کے ساتھ معبودِ حقیقی کے سامنے قلب وروح کو جھکانے کا نام ہے۔عبادت، انسان اوراللہ کے درمیان براہِ راست تعلق کا نام ہے۔عبادت کے متعلق تمام شرعی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں انسان کا کام بس ان احکام کانفاذ کرنا ہےعبادات کے حوالے سےنماز، روزہ، زکواۃ، حج، کی پابندی ہونی چاہیے۔

بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں اپنے آپ کودے کراوراسلامی شریعت کی پیروی کرکےاور اپنے آپ کونبی مکرم ﷺ کی راہنمائی میں دےکر پوری طرح مطمئن ہے، اس کا فیصلہ ہے کہ مجھے

کسی اور کی بندگی نہیں کرنی ہے اور ہر حالت میں اسلام کی راہ پر چلنا ہے اور حضور ﷺ کے سوا کسی دوسرے انسان کی راہ نمائی میں زندگی نہیں گزارنی ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو جائے تو سمجھ لو کہ ایمان کی مٹھاس اُس نے پالی۔

☆...... خرید و فروخت کے معاملات اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہوں، ناجائز ذرائع سے دولت نہ کمائی جائے۔ بلکہ ہر معاملہ میں مسلمانی کردار آشکار ہو۔

☆...... معاشرت یعنی باہمی میل جول اور ایک دوسرے کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور زندگی گزارنے اور رہن سہن کے طور طریقے، اللہ کے احکامات کے مطابق پورے کریں۔

☆...... اخلاق یعنی ہمارے باطنی جذبات اور خیالات ٹھیک ہونے چاہئیں۔ خصوصاً حقوق العباد کی رعائیت سے زندگی گزارنا چاہیے۔ اخلاق ہی تو مومن کا بنیادی وصف ہے۔

دراصل ہم نے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی طرح اپنے آپ کو چند عبادتوں تک محدود کر دیا ہے۔ جب ہم مساجد میں محو عبادت یعنی تلاوت قرآن، نماز، ذکر اذکار کر رہے ہوتے ہیں تو خوف خدا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام یاد رہتے ہیں۔ لیکن جب مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو ہم دین کے احکامات اور تعلیمات مسجد میں چھوڑ آتے ہیں۔ اب ہمارا روّیہ اور طرز زندگی بدل جاتا ہے۔ ہم من چاہی زندگی کے انداز اپناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔

ان پانچ شعبوں پر انسان عمل کرے تو انسان کا دین کامل ہوتا ہے۔ تب وہ صحیح معنوں میں مسلمان بنتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ مسجد میں جب تک ہو، اس وقت تک مسلمان ہو اور بازار میں مسلمان نہ ہو اور اقتدار کے ایوان میں مسلمان نہ ہو بلکہ ہمیں مذکورہ بالا کے لحاظ سے ہر جگہ مسلمان بن کر زندگی گزارنا چاہیے۔

کھلی تبلیغ

(غلام مرتضیٰ-اسلام آباد)

اظہار دعوت کا پہلا حکم: اس بارے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَ قْرَبِیْنَ ○ (**سورۃ شعراء**)

"آپ ﷺ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرایئے"۔

سورہ شعراء میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا آغاز ہوا۔ پھر آخر میں انہوں نے بنی اسرائیل سمیت ہجرت کر کے فرعون اور قوم فرعون سے نجات پائی اور فرعون اور آلِ فرعون کو غرق کیا گیا۔ بلفظ دیگر یہ تذکرہ ان تمام مراحل پر مشتمل ہے۔ جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور قوم فرعون کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے گزرے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کے اندر کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی یہ تفصیل اس لئے بیان کر دی گئی تا کہ کھلم کھلا دعوت دینے کے بعد جس طرح کی تکذیب اور ظلم و زیادتی سے سابقہ پیش آنے والا تھا، اس کا ایک نمونہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے سامنے موجود رہے۔ دوسری طرف اس سورۃ میں پیغمبروں کو جھٹلانے والی اقوام مثلاً فرعون اور قوم فرعون کے علاوہ قومِ نوح۔ عاد، ثمود، قوم ابراہیمؑ قومِ لوط اور اصحاب الایکہ کے انجام کا بھی ذکر ہے۔ اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کو جھٹلائیں انہیں معلوم ہو جائے کہ تکذیب پر اصرار کی صورت میں ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس قسم کے مواخذے سے دوچار ہوں گے، نیز اہلِ ایمان کو معلوم ہو جائے کہ اچھا انجام انہی کا ہو گا، جھٹلانے والوں کا نہیں۔

قرابت داروں میں تبلیغ

آپ ﷺ نے پہلا کام یہ کیا کہ بنی ہاشم کو جمع کیا ان کے ساتھ بنی مطلب بن عبد مناف کی بھی ایک جماعت تھی، ابولہب نے بات لپک لی اور بولا "دیکھو یہ تمہارے چچا اور چچیرے بھائی ہیں بات کرو لیکن نادانی چھوڑ دو! اور یہ سمجھ لو! کہ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا اور میں سب سے زیادہ حقدار ہوں کہ تمہیں پکڑ لوں۔ پس تمہارے لئے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے۔ اور اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہوگا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں پھر میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے باپ کے خانوادے کے لئے تم سے بڑھ کر شر (اور تباہی) کا باعث ہوگا۔ اس پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور ارشاد فرمایا "ساری حمد اللہ کے لئے ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "رہنما اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں تمہاری طرف خصوصاً اور لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول ہوں۔ بخدا! تم لوگ اسی طرح موت سے دوچار ہو گے جیسے سو جاتے ہو اور اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے سو کر جاگتے ہو پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لئے جنت ہے یا ہمیشہ کیلئے جہنم"۔

اس پر ابو طالب نے کہا (نہ پوچھو) ہمیں تمہاری معاونت کس قدر پسند ہے! تمہاری نصیحت کس قدر قابل قبول ہے! اور ہم تمہاری بات کس قدر سچی جانتے مانتے ہیں اور یہ تمہارے والد کا خانوادہ جمع ہے اور میں بھی ان کا ایک فرد ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ میں تمہاری پسند کی تکمیل کیلئے ان سب سے پیش پیش ہوں، لہذا تمہیں جس بات کا حکم ہوا ہے اسے انجام دو۔ بخدا! میں تمہاری

مسلسل حفاظت اور اعانت کرتا رہونگا۔البتہ میری طبیعت عبدالمطلب کا دین چھوڑنے پر راضی نہیں ابولہب نے کہا: خدا کی قسم یہ برائی ہے، اس کے ہاتھ دوسروں سے پہلے تم لوگ خود ہی پکڑلو۔ اس پر ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم! جب تک جان میں جان ہے ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے

کوہ صفا پر: جب نبی ﷺ نے اچھی طرح اطمینان کرلیا کہ اللہ کے دین کی تبلیغ کے دوران ابو طالب ان کی حمایت کریں گے تو ایک روز آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی ۔ **یَا صَبَاحَاہُ** (ہائے صبح) عرب کا دستور تھا کہ دشمن کے حملے سے آگاہ کرنے کے لئے کسی بلند مقام پر چڑھ کر انہیں الفاظ سے پکارتے یہ پکار سن کر قریش کے قبائل آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ ﷺ نے انہیں خدا کی توحید، اپنی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس واقعہ کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے اس طرح مروی ہے کہ:

جب یہ آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر بطون قریش کو آواز لگانی شروع کی ۔ اے بنی فہر! اے بنی عدی! یہاں تک کے سب کے سب اکٹھے ہو گئے حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی خود نہ جاسکتا تھا تو اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ دیکھے معاملہ کیا ہے۔غرض قریش آ گئے ۔ابولہب بھی آ گیا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا" تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپا مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مان لوگے۔؟ لوگوں نے کہا، ہاں! ہم نے آپ پر سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا تو میں تمھیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں ۔ اس پر ابولہب نے کہا تو سارے دن غارت ہو تم نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا۔اس پر سورہ **تبت یَدَآ اَبِیْ لَھَبِ** نازہوئی ۔ابولہب کے دونوں ہاتھ غارت ہوں اور وہ خود غارت ہو"۔

ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے پکار لگائی ۔ یہ پکار عام بھی تھی اور خاص بھی آپ ﷺ نے کہا"

اے جماعت قریش! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے محمدﷺ کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچا کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ (کی گرفت) سے (بچانے کا) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم لوگوں سے نسبت وقرابت کے تعلقات ہیں۔ جنہیں میں باقی اور تر وتازہ رکھنے کی کوش کروں گا

یہ بانگ درا غایت تبلیغ تھی۔ آپﷺ نے اپنے قریب ترین لوگوں پر واضح کر دیا تھا کہ اب اس رسالت کی تصدیق پر ہی تعلقات موقوف ہیں اور جس نسلی اور قبائلی عصبیت پر عرب قائم ہیں وہ اس خدائی انذار کی حرارت میں پگھل کر ختم ہو چکی ہے۔

حق کا واشگاف اعلان اور مشرکین کا ردعمل:

اس آواز کی گونج ابھی مکہ کے اطراف میں سنائی ہی دے رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکم نازل ہوا "آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رُخ پھیر لیجئے"۔

اس کے بعد رسول اللہﷺ نے شرک کے خرافات کا پردہ چاک کرنا اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو واشگاف کرنا شروع کر دیا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ یہ کس قدر عاجز اور ناکارہ ہیں اور دلائل سے واضح فرماتے کہ جو شخص انہیں پوجتا ہے اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناتا ہے وہ کس قدر کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

مکہ ایک ایسی آواز سن کر جس میں مشرکین اور بت پرستوں کو گمراہ کہا گیا تھا غضب سے پھٹ پڑا۔ اور شدید غم وغصہ سے پیچ وتاب کھانے لگا، گویا بجلی کا کڑکا تھا جس نے پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسی لئے قریش اس اچانک پھٹ پڑنے والے "انقلاب" کی جڑ کاٹنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی الوہیت کے انکار اور رسالت وآخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اس رسالت کے حوالے کر دیا جائے۔ اور اس کی بے چون وچرا اطاعت کی جائے، یعنی اس طرح کہ دوسرے تو درکنار خود اپنی جان اور اپنے مال تک کے بارے میں کوئی اختیار نہ رہے اور اس کے معنی یہ تھے کہ مکہ والوں کو دینی رنگ میں اہل عرب پر

جو بڑائی اور سرداری حاصل تھی اس کا صفایا ہو جائے گا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مقابل میں انہیں اپنی مرضی پر عمل پیرا ہونے کا اختیار نہ رہے گا۔ قریش اس مطلب کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے لیکن مشکل یہ آن پڑی تھی کہ ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق اور امین تھا۔ انسانی اقدار اور مکارم اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا ایک طویل عرصے سے انہوں نے اپنے آباء واجداد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہ دیکھی تھی اور نہ سنی ۔ آخر اس کے بالمقابل کریں تو کیا کریں؟۔

کافی غور وخوض کے بعد ایک راستہ سمجھ میں آیا کہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس جائیں اور مطالبہ کریں کہ وہ آپ ﷺ کو آپ کے کام سے روک دیں۔ پھر انہوں نے اس مطالبہ کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے یہ دلیل تیار کی کہ ان کے معبودوں کو چھوڑنے کی دعوت دینا اور یہ کہنا کہ یہ معبود نفع ونقصان پہنچانے یا اور کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے درحقیقت ان معبودوں کی سخت توہین اور بہت بُری گالی ہے اور یہ ہمارے ان آباؤ واجداد کو احمق اور گمراہ قرار دینے کے بھی ہم معنی ہے جو اس دین پر گزر چکے ہیں ۔قریش کو یہی راستہ سمجھ میں آیا اور انہوں نے بڑی تیزی سے اس پر چلنا شروع کر دیا۔

قریش سے چند آدمی ابو طالب کے پاس گئے اور بولے "اے ابو طالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے، ہمارے دین کی عیب چینی کی ہے اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ قرار دیا ہے ۔لہذا یا تو آپ انہیں روک دیں یا ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں"۔ اس کے جواب میں ابو طالب نے نرم بات کہی اور رازدارانہ لب لہجہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ اپنے سابقہ طریقہ پر رواں دواں رہتے ہوئے اللہ کا دین پھیلانے اور اس کی تبلیغ کرنے میں مصروف رہے۔

(اقتباس از الرحیق المختوم مولفہ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری)

عُجب اور تکبر

(مرسلہ:فہد محمود توحیدی)

عُجب اور تکبر دل کی جملہ بیماریوں میں سے ہے۔اور یہ ایک بڑی بیماری ہے جس کا علاج دشوار ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی اپنے دل میں خود اپنی ہی بڑی قدر و منزلت اور بڑائی ہو اور وہ خود کو بڑا سمجھ کر دیکھتا ہے اور دوسروں کو نیچی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کو حقیر اور چھوٹا جانتا ہے۔ جیسے ہی یہ صفت کسی کے باطن میں زور پکڑتی ہے تو اس کے اثرات زبان پر یوں ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ شخص کہنے لگتا ہے کہ میں ایسا ہوں ،ویسا ہوں اور اپنی تعریف و ستائش کے پُل باندھنے لگتا ہے نیز وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف اور مداح سرائی کریں جیسا کہ ابلیس لعین نے کہا تھا، اَنَا خیر منہ(میں آدم سے بہتر ہوں)۔

اس کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے بڑا مقام حاصل کرنے کا متلاشی رہتا ہے اور جس راستے سے چلتا ہے دوسروں کے آگے آگے چلتا ہے اگر کوئی اسے نصیحت کرتا ہے یا صحیح طور پر اس کے عیبوں کی نشاندہی کرتا ہے تو اسے قبول کرنے میں ننگ و عار ہوتا ہے اگر وہ کسی کو نصیحت کرتا ہے تو اپنے آپ کو بڑا جان کر سختی اور درشتی سے کہتا ہے۔جو کوئی یقین سے آپ اپنے کو دوسروں سے بہتر ہونے کا اعتقاد رکھے وہ متکبر ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ بہتر وہی ہے جو اللہ کے نزدیک بہتر ہے اور یہ بات آخرت میں ظاہر ہوگی بلکہ یہ چاہیے کہ جس کسی کو دیکھے اس کو اپنے سے بہتر جانے ،اگر کسی چھوٹے بچے کو بھی دیکھے تو کہو کہ اس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور میں گناہ گار ہوں بے شک وہ مجھ سے بہتر ہے۔اپنے سے عمر میں کسی بڑے کو دیکھو تو کہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مجھ سے زیادہ عبادت کی ہے اور میں اس کی مانند نہیں ہوں اور اگر کسی عالم کو دیکھو تو کہو کہ وہ ایسی باتیں جانتا ہے جنہیں میں نہیں جانتا اس لئے وہ مجھ سے بہتر ہے اور اگر کسی جاہل کو دیکھو تو کہو وہ لاعلمی اور جہالت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور میں دانستہ گناہ کا

مرتکب ہوا ہوں۔علم کی وجہ سے مجھے سزا دینے اور گناہوں پر گرفت کرنے کے لئے دلیل وحجت اس سے بڑھ کر ہے، بلکہ اگر کسی کافر کو بھی دیکھو تو کہو کہ میں نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس بات پر ہوگا (ممکن ہے ایمان پر ہو اور وہ مجھ سے افضل اور مقبول بارگاہ خداوندی بن جائے۔) بہت سے مسلمان حضرت عمرؓ ابن خطاب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جب آپ مسلمان نہ تھے وہ ناواقف تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا معاملہ کہاں تک جا پہنچے گا اور آپؓ کتنے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہوں گے۔تمہارے دل سے یہ کبروغرور اس وقت تک دور نہ ہوگا جب تک تم یہ جان نہ لو کہ درحقیقت ہر شخص کی حیثیت اور اس کا مقام اس کے خاتمہ اور انجام پر منحصر ہے اور وہ ایک امرغیبی ہے، ہوسکتا ہے کہ جس کو ہم برا سمجھ رہے ہیں اسے حسن خاتمہ نصیب ہو اور وہ مقام ولایت پائے اور جسے ہم اچھا سمجھ رہے ہیں۔اس کا خاتمہ برا ہو۔

حکایت از شیخ سعدی شیرازیؒ

ایک بزرگ سے حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ نے اس حدیث یعنی "تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں کے درمیان ہے" کا مطلب پوچھا۔انہوں نے فرمایا:اس وجہ سے کہ تم جس کسی دشمن کے ساتھ احسان کرو گے وہ تمہارا دوست ہو جائے گا سوائے نفس کے،اس کی جتنی زیادہ خاطر و مدارت کرو گے اتنا ہی زیادہ مخالفت کرے گا۔

نفس بسیار خوری کے ذریعہ تساہل کا شکار کرتا ہے۔جو شخص خوب کھاتا ہے وہ جم کر سوتا ہے۔ذکر و عبادت کی توفیق نہیں ہوتی جبکہ آدمی کم کھانے سے فرشتہ صفت بن جاتا ہے۔نفس کا حال یہ ہے کہ اگر اس کی خواہش پوری کر دی جائے تو وہ حاکم بن جاتا ہے اور حکم چلانے لگ جاتا ہے۔(**مرسلہ: ندیم عباس- ملتان**)

عیسائی بادشاہ کے چار سوال

(حافظ ارم مسعود)

ایک دفعہ ایک عیسائی بادشاہ نے چند سوالات لکھ کر حضرت عمرؓ کو ارسال کئے اور کہا کہ سوالات کے جوابات درکار ہیں۔ سوالات یہ ہیں:

1- ایک ماں کے شکم سے دو بچے پیدا ہوئے اور دونوں ایک ہی وقت ایک ہی دن پیدا ہوئے پھر ایک ہی روز دونوں کا انتقال ہوا۔ ایک کی عمر سو سال بڑی دوسرے کی عمر سو سال چھوٹی ہے یہ دونوں کون تھے اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے ؟

2- وہ کون سی زمین ہے جہاں ابتدائے پیدائش سے قیامت تک صرف ایک مرتبہ سورج نکلا اور نہ ہی پہلے کبھی نکلا اور نہ ہی آئندہ کبھی نکلے گا ؟

3- وہ کونسی قبر ہے، جس کا مدفون بھی زندہ تھا اور قبر بھی زندہ تھی اور قبر اپنے مدفون کو سیر کراتی رہی پھر مدفون قبر سے باہر آیا اور زندہ رہ کر فوت ہوا؟۔

4- وہ کونسا قیدی ہے، جس کو قید خانے میں سانس لینے کی اجازت نہیں اور وہ بغیر سانس لئے زندہ ہے؟۔

عیسائی کے سوالات پڑھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بلایا اور فرمایا ان سوالوں کے جواب لکھ دو۔

پہلا جواب:

وہ دو بھائی جو ایک ہی دن پیدا ہوئے ایک ہی دن دونوں کی وفات ہوئی۔ پھر ایک بھائی سو برس عمر میں چھوٹا دوسرا سو برس بڑا۔ یہ دونوں بھائی حضرت عزیزؑ اور حضرت عزیزؑ ہیں۔ دونوں ایک ہی دن ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے اور دونوں کی وفات کا دن بھی ایک ہے۔

لیکن درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ دکھانے کیلئے حضرت عزیزؑ پر سو سال تک موت طاری رہی پھر سو سال کے بعد زندہ ہو کر اپنے گھر گئے۔ پھر کچھ دن اور زندہ رہے پھر دونوں بھائی ایک ہی روز فوت ہوئے اسلئے حضرت عزیزؑ کی عمر سو سال چھوٹی اور حضرت عزیزؑ کی عمر سو سال بڑی ہوگئی۔

دوسرا جواب:

وہ زمین جس پر ساری عمر میں ایک مرتبہ سورج نکلا اور نہ پہلے کبھی نکلا اور نہ کبھی نکلے گا وہ زمین دریائے قلزم کی تہہ ہے جہاں فرعون غرق ہوا نیز حضرت موسیٰ قوم کے ساتھ پار اتر گئے تھے حضرت موسیٰ کے معجزے سے دریا خشک ہو گیا اور دریا کی تہہ کو آفتاب نے بحکم خدا جلد خشک کر دیا حضرت موسیٰ اپنی قوم کے ساتھ دریا پار کر گئے اور فرعون غرق ہوا۔ اس زمین پر ساری عمر میں سورج صرف ایک ہی مرتبہ نکلا اور آئندہ کبھی بھی نہیں نکلے گا۔

تیسرا جواب:

وہ قبر جس کا مدفون اور قبر دونوں زندہ تھے اور قبر اپنے مدفون کو سیر کراتی رہی وہ حضرت یونسؑ کی مچھلی تھی۔ قبر بھی زندہ اور مدفون بھی زندہ اور مچھلی آپ کو سمندر کی سیر کراتی رہی۔ پھر آپ مچھلی کے پیٹ سے باہر آکر زندہ رہے۔ پھر وفات پائی۔

چوتھا جواب:

جو قیدی قید خانے میں سانس نہیں لیتا اور وہ بغیر سانس لئے زندہ رہتا ہے وہ بچہ ہے جو ماں کے شکم میں قید ہے اور خدا تعالیٰ نے اسکے سانس لینے کا ذکر نہیں کیا اور نہ وہ سانس لیتا ہے زندہ بھی رہتا ہے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے یہ جوابات لکھوا کر حضرت عمر فاروقؓ نے عیسائی بادشاہ کے پاس بھیج دیئے چنانچہ عیسائی بادشاہ نے یہ جوابات دیکھ کر کہا کہ شاید ابھی مسلمانوں میں کوئی نبی زندہ ہے۔ کیونکہ یہ جوابات سوائے نبی کے اور کوئی نہیں بتا سکتا۔ (مرسلہ: غلام یٰسین بخاری ملتان)

میدان حشر کے سوال

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ حشر کے میدان میں ہر شخص سے پانچ سوال کیے جائیں گے اور جب تک وہ ان پانچ سوالوں کے جواب نہ دے لے گا مجال نہیں کہ وہ اللہ کے حضور سے قدم ہٹا سکے۔

۱۔ اس نے اپنی زندگی کن کاموں میں لگائی۔ ۲۔اپنی جوانی کو کن کاموں میں کھپایا۔
۳۔ مال و دولت کن ذرائع سے حاصل کیا۔ ۴۔مال و دولت کن کاموں میں خرچ کیا۔
۵۔ اور جو علم حاصل کیا تھا اس پر کہاں تک عمل کیا۔

بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب ہم اور آپ حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور ان سوالوں کے جوابات دے رہے ہوں گے کس قدر خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس زندگی میں ان سوالوں کے صحیح جوابات تیار کر رہا ہے اور ان سوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے شعور کی زندگی گزار رہا ہے۔ زندگی آپ کو بھی ملی ہے جوانی کی نعمت سے آپ بھی نوازے گئے ہیں مال و دولت کے آپ بھی مالک ہیں مال آپ بھی خرچ کر رہے ہیں آپ کو بھی بہت کچھ علم حاصل ہے آپ بھی عمل کر رہے ہیں سوچئے آپ کیا جوابات تیار کر رہے ہیں اور کل اللہ کو خوش اور مطمئن کرنے کیلئے کیا کچھ کر رہے ہیں؟

اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے ۔۔۔دنیا کی زندگی بہت مختصر اور فانی ہے آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے وہاں کا سکھ بھی ہمیشہ کا ہے اور وہاں کا دکھ بھی دائمی ہے دنیا کی اس قلیل زندگی میں آپ کے ربّ نے آپ کو مہلت اور موقع دے رکھا ہے کہ آپ اپنی کوششوں سے اپنے لیے آخرت کی جیسی زندگی چاہیں بنالیں۔ ہمیشہ کا سکھ بھی آپ اپنے لیے فراہم کر سکتے ہیں اور ہمیشہ کا دکھ بھی آپ ہی کے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ آپ ہر لمحہ دنیا کی زندگی سے دور آخرت کے

انجام سے قریب ہورہے ہیں اور آپ کو شعور ہو یا نہ ہو آپ کی زندگی ان پانچ سوالوں کا جواب تیار کر رہی ہے۔ یہ جوابات خدا کے فضل سے آپ کو حسن انجام سے ہمکنار بھی کرسکتے ہیں اور یہی جوابات آپ کو خدا کے غضب میں گرفتار بھی کرسکتے ہیں۔

مسئلہ آپ کی اپنی زندگی کا ہے نہ محض عقلی طور پر حل کر لینے کا۔ یہ مسئلہ ہے نہ اس کا تعلق کسی اور سے ہے آپ سے اور صرف آپ سے اس کا تعلق ہے اور صرف آپ ہی نے اس کو حل کرنا ہے کوئی دوسرا اگر اس کے حل کرنے میں اپنا سب کچھ کھپا دے تب بھی آپ کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا اور اگر آپ اپنے مسئلہ کو صحیح صحیح حل کرنا چاہیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ آپ کا ذاتی اور شخصی مسئلہ ہے آپ ہی اس کے ذمہ دار ہیں اور آپ ہی کو اپنے کیے کا اچھا یا برا انجام دیکھنا ہے آپ اس پر سوچنے کی زحمت اٹھائیں یا نہ اٹھائیں آپ کی زندگی بہر حال ان سوالات کے جوابات تیار کر رہی ہے۔

پھر معاملہ اس خدا سے ہے جس کے علم سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں آسمان کی فضائیں ہوں یا زمین کی تہیں پہاڑوں کی چٹانوں کے سینے ہوں یا سمندر کی اتھاہ گہرائیاں جہاں کہیں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے علم میں ہے۔ آپ نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی تو یقیناً اس کا صلہ آپ کے سامنے آئے گا اور ذرہ بھر برائی کی ہوگی تو لازماً اس کا بدلہ آپ کو بھگتنا پڑے گا نہ آپ اس کی گرفت سے بچ سکتے ہیں نہ اسے دھوکا دے سکتے ہیں۔ نہ دنیا میں واپسی کا امکان ہے نہ مزید مہلت مل سکتی ہے نہ خدا کے فیصلے کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ حشر کا فیصلہ اٹل ہے سنجیدگی سے سوچئے کہ آپ کیا فیصلہ چاہتے ہیں کل دارالحساب میں ہوں گے اور عمل کی مہلت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہوگی۔

آپ کو کبھی اس سوال نے لرزایا کہ آپ نے مال کہاں خرچ کیا بظاہر یہ کتنا معمولی سا سوال ہے مگر یہ ہرگز معمولی سوال نہیں اس سوال پر آپ کی آخرت بننے اور بگڑنے کا مدار ہے اس وقت ہم صرف اسی ایک سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں اچھے اچھے دیندار اور باشعور افراد بھی اکثر اس سوال کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے اور انہیں یہ حقیقت لرزہ براندام نہیں کرتی کہ ہم جس طرح اور

جن کاموں میں اپنا مال خرچ کر رہے ہیں اس بارے میں کل خدا کو جواب دینا ہے۔
آپ پابندی سے زکواۃ دیتے ہیں صدقۃ وخیرات میں بھی خرچ کرتے ہیں اور کبھی تنگ دلی اور بخل کا مظاہرہ نہیں کرتے لیکن یہ بھی اطمینان کر لیجئے کہ آپ جہاں جہاں جس طرح خرچ کر رہے ہیں ٹھیک ٹھیک خدا کی مرضی کے مطابق کر رہے ہیں یا نہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ دین کی ضرورت اور خدا کی مرضی کچھ اور ہو اور آپ کا طرزِ عمل کچھ اور ہو۔

آپ نے حج ادا کر لیا اور خدا نے آپ کو اتنا دیا ہے کہ بار بار آپ نفلی حج کریں اس میں کیا شک ہے کہ بیت اللہ کی حاضری مومن کے لیے بہت بڑی سعادت ہے آپ بار بار اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں آپ کے پڑوس میں ایک بیوہ ہے جو نانِ شبینہ کو محتاج ہے محلّہ ہی میں ایک مریض ہے جس کے کئی بچے ہیں خستہ حال فاقوں کے مارے تعلیم ومذہب سے محروم آپ کی بستی میں کتنے ہی نوجوان ہیں جو آوارہ گھوم رہے ہیں نہ ان کے روزگار کا کوئی بندوبست ہے نہ ان کی تعلیم وتربیت کا ان کی آوارگی اور بے راہ روی نہ صرف معاشرے کے لیے وبالِ جان ہے بلکہ ان کا وجود اسلام کے لیے بھی بدنامی کا باعث ہے۔ مریض نے آپ کو متوجہ بھی کیا بیوہ نے بھی اپنی خستہ حالی آپ کو بتائی نوجوانوں کے بے راہ روی سے بھی آپ کو روشناس کرایا گیا لیکن آپ نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ آپ کو تو یہ دھن ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کر آئیں۔

برسات کی رات تھی کرایہ دار کو آپ نے اپنے گھر سے نکال دیا اس کی بیوی نے آپ سے گڑگڑا کر التجا کی کہ دو ماہ کی مہلت دے دیجئے ہم آپ کا مکان خالی کر دیں گے لیکن آپ نے زبردستی دھکے دے کر اسے نکال دیا۔ اس کے سات معصوم بچے بھی سہم سہم کر آپ سے درخواست کرتے رہے مگر آپ نے ایک نہ سنی ان مظلوموں نے پیڑ کے نیچے بارش میں رات گزاری اور دوسرے دن آپ نے وہ مکان مدرسہ کے لیے وقف کر دیا۔ آپ کی دھن تھی کہ جلد از جلد زندگی ہی میں یہ کام کر جاؤں۔

آپ کی بستی میں سیلاب آیا لوگوں کے گھر اجڑ گئے لوگ دانے دانے کو محتاج ہو گئے

پریشان حالی سے لوگ پریشان ہوگئے آپ ان کی مدد کرسکتے تھے فاقہ مست بھوکے بچوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرسکتے تھے۔ سیلاب کے مارے سسکتے مریضوں کی دوا دارو کا انتظام کرسکتے تھے آپ کو متوجہ بھی کیا گیا لیکن آپ نے یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا کہ آپ کے سامنے بہت بڑا کام ہے آپ کئی لاکھ دینی کتابیں چھاپنا چاہتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ کا کام ہوسکے۔

آپ کے ادارے میں کتنے ہی ملازم مالی پریشانی سے تنگ آکر خودکشی کرنا چاہتے ہیں کتنوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں تو مجرمانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے ہیں انہوں نے آپ کو اپنی خستہ حالی اور پریشانی کا حال سنانا چاہا تو آپ نے جھڑک دیا لیکن اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں کہ آپ پبلک کے لیے مسافر خانہ کھول رہے ہیں کہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو۔

آپ کی زندگی کی یہ چند جھلکیاں ہیں خدارا غور کیجئے کہ کل جب خدا آپ سے پوچھے گا کہ تو نے مال کہاں خرچ کیا تو آپ اپنا یہ طرزِ عمل بتا کر واقعی خدا کو خوش کرسکیں گے کہ آپ نے اپنا مال واقعی صحیح مصارف میں خرچ کیا کیا آپ مطمئن ہیں کہ آپ نے دین کے تقاضوں کے مطابق خرچ کیا اور آپ کا یہ صدقہ وخیرات خدا کے یہاں قبول ہوگا؟

آپ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ آپ راہ خدا میں خرچ کریں یہ بھی آپ ہی کی ذمہ داری ہے کہ صحیح مصارف میں خرچ کریں دین کا جہاں جہاں تقاضا ہو وہاں خرچ کریں۔ بے شک مال آپ کا ہے لیکن آپ اگر خدا کی راہ میں خرچ کرکے صلہ چاہتے ہیں، معلوم کیجئے کہ میں کہاں صرف کروں اور کس طرح صرف کروں اپنے ذوق کی تسکین اور اپنے نفس وقلب کے اطمینان کے لیے خرچ کررہے ہیں تو اللہ سے صلے کی طلب نہ کیجئے خدا سے صلہ تو اسی شخص کو مل سکتا ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق خرچ کرے دین کے بتائے ہوئے مصارف میں صرف کرے اور دین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرے۔ اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے لرزتے رہیں کہ آپ نے واقعی جہاں جہاں خرچ کیا ہے اور جس جس انداز میں خرچ کیا ہے اس سے دین کا منشا بھی پورا ہوا یا نہیں اور خدا کا جو حکم تھا وہ بھی پورا ہوسکا یا نہیں۔

ارشاداتِ عالیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ (تعمیرِ ملت)

ایثار سخاوت تقریباً ایک ہی چیز ہے لیکن خیرات اور ایثار فرض ہے، خیرات یہ ہے کہ تمہارے پاس اپنی ضروریات سے جو کچھ فاضل ہو اس میں سے ضرورت مندوں کو بھی دو۔ لیکن ایثار یہ ہے کہ جو چیز تم کو محبوب ہو اور جس کی تمہیں خود ضرورت ہو وہ چیز کسی دوسرے ضرورت مند کو دے دو، یعنی اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت براری کو مقدم سمجھو۔ ایثار ایک بہت ہی بلند مرتبہ صفات میں سے ہے اور ایثار کرنے والا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی عزیز ہوتا ہے۔ ایثار اگرچہ کیا بھی جاتا ہے لیکن غلط جگہ اور غلط طریقے سے۔ جب سے مسلمانوں میں بے عملی اور تن آسانی عام ہوئی ہے، بے شمار لوگوں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے کہ صاحبِ مقتدرت اصحاب کے گرد اکٹھے ہو کر ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً موقع دیکھ کر اپنی محتاجی اور افلاس کا حال موثر الفاظ میں بیان کر کے ان کے جذبہ ایثار و سخاوت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس قسم کا ایثار قوم کو بجائے فائدے کے الٹا نقصان پہنچاتا ہے اور بے عمل مفت خوروں کی تعداد میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ایثار صرف مستحق آدمیوں کے ساتھ کرنا چاہئے، مفت خور، خوشامدیوں اور حاشیہ نشینوں کی ہرگز ہرگز ہمت افزائی نہ کرنی چاہئے۔ سب سے بہتر طریقہ ایثار کا یہ ہے کہ ایثار صرف اس موقعہ پر کیا جائے جب کہ اس سے اجتماعی فائدہ پہنچتا ہو۔ مفید ایثار کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ فرض کیجئے کسی شہر میں ایک کالج یا سکول وغیرہ کھولنا ہے لیکن اس کے لئے مکان نہیں ملتا۔ اب کسی رئیس کے پاس ایک عالی شان اور فراخ کوٹھی ہے جو اسے بے حد محبوب ہے اور وہ اسی میں رہنا پسند کرتا ہے لیکن باوجود ازیں یہ کوٹھی کالج یا سکول کیلئے دیدے تو یہ ایثار واقعی فائدہ مند ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول۔ ہم نے ایسے نواب اور رئیس بچشم خود دیکھے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کی کسی چیز کی تعریف کر دے تو پھر وہ اس چیز کو اپنے قبضہ میں رکھنا معیوب اور خلاف شان جانتے اور اس کو بخش دیتے۔ امراء کی اس عادت سے قوم میں بے انتہا بے عملی پیدا ہوتی ہے۔

بے جا خواہشات اور شکایات کا خاتمہ انسانی کامیابی کی ضمانت ہے

(شاہین رحمان)

دکھ، سکھ کا سنگم ہے۔ یہاں خوشیاں اور غم آنکھ مچولی کھیلتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی مسائل اور پریشانیاں زندگی کو تپتی ویران، دوپہر جیسا بنا دیتی ہیں تو کبھی خوشی کی تتلی من آنگن میں جب اپنے حسین پر پھیلاتی ہے تو سارے موسم، سارے منظر سارے رنگ، دلکش دلربا اور خوبصورت لگنے لگتے ہیں۔ لیکن کیسی حیرت کی بات ہے ہم تتلی کے دلکش رنگوں جیسے تمام خوشگوار لمحوں کو بھول جاتے ہیں، ہمیں خوشی کی تتلی مٹھی میں کرنے کا ہنر نہیں آتا۔ ہمیں تو بس ایک ہی فن آتا ہے اپنی افسردگی کو اشتہار بنانے کا فن، اپنے دکھوں کی پبلسٹی کرنے کا فن، اپنی محرومیوں پر شکوہ کناں رہنے کا ہنر۔ ہم اپنے ساتھ ہمیشہ ایک چھوٹا سا تھیلا رکھتے ہیں، جس میں ہم احتیاط سے اپنے دکھوں، تکلیفوں، محرومیوں اور مسائل کو ایک ایک کر کے جمع کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر گاہے بگاہے اس تھیلے میں سے کسی محرومی یا تکلیف کو نکالتے ہیں اور جی بھر کر خود کو اور دوسروں کو آزردہ کرتے ہیں ہم اپنے ذہن کے کمپیوٹر میں ایک فولڈر بنا لیتے ہیں اور اس کا نام شکایات (Complaints) رکھتے ہیں۔ اس فولڈر کے اندر موجود ساری فائلز (Files) لوگوں اور معاشرے سے شکوے اور گلوں سے بھری ہوتی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم اس فولڈر کو کبھی ختم نہیں کرتے بلکہ اسے Desktop (کمپیوٹر سکرین) پر رکھتے ہیں۔ پھر لفظوں کی صورت زبان پر سجا لیتے اور کہتے ہیں آخر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سب کو خوشیاں مل جاتی ہیں میرا حصہ کھو جاتا ہے۔

ہماری زندگی میں اس قدر ناشکرا پن، گلہ شکوہ اور تقاضا کیوں ہے؟ کیا آپ نے کبھی اس پر غور کیا؟۔ ناشکری کے پس منظر میں معاشی نا آسودگی، خواہشات کا ادھورا رہ جانا،

قناعت پسندی کا نہ ہونا ،توکل کی کمی ، سادہ اور فطری انداز زندگی سے دوری جیسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔آپ دیکھ لیجئے کہ دیہات میں لوگ آپ کو زیادہ مطمئن نظر آئیں گے۔کم وسائل اور زیادہ مسائل کے باوجود ان کی زبان پر گلے شکوے کے الفاظ نسبتاً کم ہوں گے۔آج کا انسان اپنے موجودہ Status (حیثیت) سے مطمئن نہیں اور راوپر سے اوپر جانے کی خواہش میں جائز و نا جائز ذرائع استعمال کرتا ہے اور جب اس کوشش میں حسب خواہش کامیاب نہیں ہو پاتا تو ناشکری کرتا ہے ۔ہم دوسروں کے لئے جیسا بھی سوچیں لیکن لوگ ہمارے لئے گڑھا کھودیں تو ہم برداشت نہیں کرپاتے اور جھگڑا کرتے ہیں ۔منفی اندازفکر بھی زندگی کو گلے شکوے سے بھر دیتا ہے کچھ لوگ نقطے کو لکیر بنا لیتے ہیں، کسی محرومی کے چھوٹے سے دھبے کو پھیلا کر ساری زندگی کو سیاہ بنا لیتے ہیں ۔ زندگی میں ناشکر گزاری کی ایک بڑی وجہ بے جا خواہشات کی کثرت ہے ۔ دیکھا جائے تو زندگی میں انتشار کا ایک بڑا سبب یہ خواہشات ہی ہیں ۔کہیں اعلیٰ رتبے کی خواہش، بلند میعارزندگی کی تمنا کہیں جاہ وحشمت اور حکمرانی کی خواہش لوئر کلاس کی مڈل اور پھر اپر کلاس میں شامل ہونے کی خواہش زندگی کے ہر میدان میں سب کچھ پا لینے، حاصل کر لینے کی آرزو کہیں ضروریات زندگی کی تکمیل کی تمنا تو کہیں سہولیات اور آسائشوں وتعصّبات کی خواہش، دوسروں کو گرا کر آگے نکل جانے کی خواہش ، اچھی ملازمت، بچوں کو اچھے سے اچھے سکول کالج میں داخل کروانے کی خواہش ،غرض ہماری اکثر و بیشتر خواہشات دنیا اور حصول دنیا کے گرد گھومتی ہیں ۔اور جب یہ خواہشیں پوری نہیں ہوتیں تو ہم مایوس ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً شکوے شکایت پر اتر آتے ہیں ناشکری کرتے ہیں ۔ناشکر گزاری سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟۔

تکلیف کو تکلیف سمجھ کر راضی رہنا آدھا شکر ہے ۔پورا شکر یہ ہے کہ ہم تکلیف کو تکلیف نہ سمجھیں، تسلیم و رضا کی حد اپنالیں ۔کسی چیز کا شکر ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز آپ کو

دی گئی ہے آپ کو اس کی اہمیت کا ادراک ہو کیونکہ کسی نصیحت کا ادراک اور پھر اعتراف ہی شکر گزاری ہے۔خواہشات کو قلیل اور زندگی کو سادہ بنالیں۔قناعت پسندی اور توکل کی روشنی اپنالیں ناشکری سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر روز صبح کہیں اللہ تیرا شکر ہے! کہ تو نے مجھے میری اوقات سے کہیں بڑھ کر نوازا ہے۔دنیا میں سب کچھ تو نہیں مل جاتا جو نہیں ملا اس کا ملال کرنے سے بہتر کیا یہ نہیں کہ ہمارے پاس جو موجود ہے اس کا شکر ادا کرنا سیکھ لیں؟ جو مل گیا اسے یاد رکھیں ، جو نہیں ملا اسے بھول جائیں،خود کو سمجھایئے کہ بہت کچھ نہ ہونے کے باوجود ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔اللہ کے بندوں کا شکر گزار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی بھلائیوں اور نیکیوں کو یاد رکھیں جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیں جب دوسروں میں کوتاہیاں اور خامیاں نظر آئیں تو اپنے گریبان میں ضرور جھانک لینا چاہیے۔جو لوگ اپنی کوتاہیوں پر نگاہ رکھتے ہیں عموماً وہ دوسروں سے گلہ شکوہ کم کرتے ہیں کچھ لوگوں کو اپنے حالات، ماحول،خاندان وسائل کی کمی کا شکوہ ہوتا ہے، وہ جب دوسروں کو خود سے سبقت لے جاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو نامناسب حالات محدود مواقع اور غیر فائدہ مند خاندانی پس منظر کا گلہ کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں بہت سی نامور اور عظیم شخصیات ایسی گزری ہیں جن کا تعلق انتہائی عام خاندانوں سے تھا اور جنہوں نے بہت غربت میں پرورش پائی۔لہذا آگے بڑھنے کے لئے ترقی کرنے کے لئے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد اور اللہ پر کامل یقین ہی کامیابی کی اصل راہ ہے۔

ہمیں زندگی میں دو طرح کے لوگ نظر آتے ہیں ایک تو وہ لوگ جنہیں ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے، ذرا سا دکھ ملتا ہے تو گلہ ان کی زبان پر آجاتا ہے۔ایک پن بھی چبھ جائے تو ساری کائنات کے خلاف بولنا شروع ہو جاتے ہیں۔یہ وہی لوگ ہیں، زندگی کے ڈھیر سارے خوشگوار لمحوں میں سے کوئی ناخوشگوار لمحہ ڈھونڈ کر کیلنڈر کی صورت میں دیوار پر لٹکا لیتے ہیں اور پھر ہمہ وقت

اسے یاد کر کے آہیں بھرتے ہیں۔دوسری قسم ان لوگوں کی ہے،جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا جائے یا چھاؤں میں ان کا پیالہ دل شکر گزاری اور احسان مندی کے جذبات سے لبالب رہتا ہے جن کی خزاں زدہ زندگی میں بہار کا ایک معطر جھونکا بھی بہت معنی رکھتا ہے اور وہ اس جھونکے کو ساری زندگی یاد کر کے اپنی حبس زدہ زندگی کو مہکاتے رہتے ہیں۔یہ وہی لوگ ہیں،جن کے پاس جوتا تو درکنار پاؤں بھی نہیں ہوتے لیکن پھر بھی زبان پر شکوہ نہیں لاتے۔سوال یہ ہے کہ ہم یہ سب کچھ کب سیکھیں گے؟ پہلی قسم کے لوگوں سے نکل کر دوسری صف میں کھڑے لوگوں میں شامل ہونا کب آئے گا؟ گلے شکوے،شکایات،ناشکری اور بے جا تقاضوں کے حصار سے نکل کر شکر گزاری اور تسلیم و رضا کے مرحلے میں ہم کب داخل ہوں گے؟ یہ وہ ڈھیر سارے سوالیہ نشان ہیں جن پر سوچنے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ ہم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا ادراک و اعتراف کر سکیں کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔"اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہارے لئے نعمتوں کو بڑھا دوں گا"۔

(مرسلہ:محمد طالب۔گوجرانوالا)

دُعائے مغفرت

گوجرانوالا کے بھائی شیخ محمد اکرم اور شیخ محمد اسلم کے والد محترم حاجی اللہ بخش صاحب بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔

(إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

بھائی انکی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالمِ روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امتِ مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوالِ اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگانِ عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مصنّف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو اُنہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوّف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوّف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندۂ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

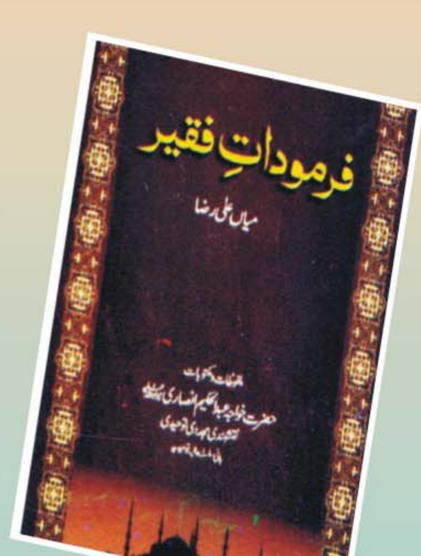


فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کئے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔



Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com